

داستان ختم ہونے والی ہے تم میری آخری محبت ہو...

تار

The destruction

از قلم: ردا شاہد

تاراج



از قلم ردا شاہد

All Rights Reserved

Copyright: Rida Shahid (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

تاراج کے تمام جملہ حقوق لکھاری "ردا شاہد" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔



تاراج

"تاراج" تباہی!!! ہر اس کہانی کے بعد جس کا انجام ہم نے خوبصورت سوچا ہوتا ہے جیسے ایک فیری ٹیل، جس کا انت بھلا تو سب بھلا۔ لیکن نہیں، زندگی حقیقت ہے یہاں کوئی شہزادہ نہیں جو جو تالے کے اپنی شہزادی کو ڈھونڈ لے۔ زندگی کی کہانی پر کشش ہے اور ہر موڑ پر چیلنجنگ ہے۔ اکثر زندگی کا قانون دغا دے دیتا ہے۔ اور اگر کبھی لگے کہ کہانی کا انت نزدیک ہے اور قاتل کو قانون جہاں نے سزا نہیں سنائی ہے تو سمجھ جاؤ کہ وہیں سے شروع ہوتی ہے داستان صدیوں تک دھرانے کے لئے لکھی جاتی ہے

"تاراج"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

oooooooooooo

قسط نمبر: 02

Safar-e-Adab
قصہ پارینہ
(گزری ہوئی بات)

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ذرا سی دیر لگتی ہے!!!

زمانہ دوست ہو جائے تو

بہت محتاط ہو جانا

کہ اس کے رنگ بدلنے میں

ذرا سی دیر لگتی ہے!!!

کوئی جو خواب دیکھو تو

اسے فوراً بھلا دینا

کہ نیندیں ٹوٹ جانے میں

ذرا سی دیر لگتی ہے!!!

کسی کو دکھ کبھی دینا

تو اتنا سوچ کر دینا کہ

کسی کی آہ لگنے میں

ذرا سی دیر لگتی ہے!!!

بہت ہی معتبر ہیں جنکو

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

محببتیں راس آجائیں

کسی کو راہ بدلنے میں

ذرا سی دیر لگتی ہے!!!

صبح کب کی باسی ہو گئی تھی۔۔۔

لیکن اس میں ایک احساس تھا۔ کسی کے دور جانے کا، کسی کے کھو جانے کا۔

کیا کبھی ایسا ہوتا ہے؟ جب تمہیں پتا چلے کہ وہ، جسے تم بچانا چاہتے تھے وہ خود کو ہار گیا ہے؟ وہ بھاگ گیا ہے؟

تو کیسا ہوتا ہے وہ احساس؟ جب تم کسی اپنے کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھو۔

اور پھر کئی اپنوں کو مڑتے دیکھو۔ جب تم تنہا کھڑے رہ جاؤ۔

جب سب کچھ کر کے بھی تم کچھ نہ کر سکو۔

کیا اسی کا نام بے بسی ہے؟

کیا اس سے بڑی کوئی بے بسی ہوگی؟

کیا اس سے بڑی کوئی ہار ہوگی؟

جب کہانی کے انت پر تم خود کو ہار جاؤ۔۔۔

oooooooo

سیاہ رات قطرہ قطرہ پگھلتی اس سرخ مائع کو جذب کر رہی تھی۔

سرخ چغہ میں وہ وجود ویسے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ شیشہ کا دروازہ ہاتھ بڑھا کر کھولا اور اندر داخل ہو کر ٹھک سے بند کیا تھا۔ آسمان پر ٹمٹماتے تارے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

وہ وجود چلتا ہوا آئینہ کے سامنے رکا تھا۔ ہاتھ میں ابھی بھی پین ناف تھی جس پر خون کے قطرے بالکل تازہ تھے۔ سائڈ میں لٹکا رومال اٹھا کر اس نے ہاتھ میں پکڑا تین انچ جتنا چاقو صاف کیا۔ ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔ پھر دونوں چیزیں سامنے رکھی میز پر رکھ دیں۔ زبان پر جیسے قبل سا لگا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر آئینہ میں دیکھا۔ ہلکے زرد رنگ کے نائٹ بلب میں زیادہ کچھ واضح نہیں تھا۔ پھر ہاتھ سے سر پر اوڑھالال ہڈ پیچھے گرایا تو چہرہ کچھ حد تک واضح ہوا۔ اس کے تاثرات سپاٹ تھے۔ لب لکیر کی طرح پیوست جبکہ آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھتیں وہ سیاہ آنکھیں زمانوں کی داستان لیے ہوئے تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

oooooooo

اور یہ ہوا تھا بلقیس کے بازو پر تیز دھار آلے سے وار۔۔۔

پورے سیل میں ادھم سا مچ گیا تھا۔

کسی فوارہ کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ وار گہرا نہیں تھا لیکن غیر متوقع تھا۔

بلقیس نے آنکھیں اٹھا کر سوہائی کو دیکھا جس کے ہاتھ میں وہ چاقو تھا۔ اس کی آنکھیں بنجر تھیں۔ جیسے اسے یہ ہی کرنا تھا۔ وہ یہ ہی کرنے والی تھی۔

بلقیس کی آنکھیں ڈگمگائیں۔ لیڈی کانٹیل تالا کھول رہی تھی۔

"اگر تمہیں اسے مارنا ہو تا تو تم تیز دھار آلہ استعمال کرتیں۔"

وہ ہی چاقو اس نے اپنے ہاتھ کی نس پر رکھا، ایک سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کیں۔

کراچی سے لندن، لندن سے کراچی اور آج کراچی کی سینٹرل جیل۔ دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ بند آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور پھر کسی بھی تردد کے بغیر اس نے بڑی آسانی سے وہ چاقو اپنے دائیں ہاتھ پر چلایا تھا۔

"سوہائی!!!" بلقیس کے گلے سے دبی دبی آواز نکلی۔

لیڈی کانٹیل جیل میں داخل ہو رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

oooooooooooo

سورج اسلام آباد میں ایک نئی صبح لے کر طلوع ہوا تھا۔

جاتی سردیوں میں سورج کی کرنیں کسی شفا کی طرح کام کر رہی تھیں۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی یہ وقت فجر سے ذرا دیر کے بعد کا تھا۔

اس چھوٹے باغ والے گھر کے مین ڈور پر رخسانہ اور ابرش کھڑی زیان کو کراچی جانے کے لیے الوداع کر رہی تھیں۔ جاتی سردیوں میں دھند واضح تھ۔ آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھو تو منظر واضح ہو گا۔

"امی اب بس کر دیں کراچی جا رہا ہوں محاظ پر نہیں جا رہا۔" رخسانہ سر پر دوپٹہ لپیٹے ہوئے تھیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ جب کے مسلسل کچھ پڑھتے ہوئے وہ زیان پر پھونکیں مار رہی تھیں۔ لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، ان کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔

زیان نہایت اکتاہٹ سے کھڑا تھا۔ آنکھیں اٹھا کر اپنی بہن کو دیکھا جس نے کندھے اچکائے تھے۔

"اللہ کی امان میں !!!" آخری دفعہ پھونک مارتے ہوئے انھوں نے زیان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ابرش خاموش تماشاویوں کی طرح سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"امی اب میں جاؤں؟" زیان نے بھوری آنکھیں اٹھا کر ماں سے جیسے اجازت چاہی۔ وہ نیلے ہاف سلیو سوئٹر کے ساتھ سفید شرٹ اور پیٹ میں ملبوس تھا۔ آج بال جمائے گئے تھے جو کہ رخسانہ کے ہاتھ پھیرنے پر ذرا بکھر گئے تھے۔ دائیں کندھے پر بیگ ڈالا تھا۔

"بھائی آپ آجائیں گے نا؟" اس سے پہلے رخسانہ کچھ کہتیں کب سے خاموش کھڑی ابرش نے زیان کے پلٹنے سے پہلے اسے مخاطب کیا۔ وہ چند قدم کا فیصلہ طے کرتا اس تک آیا تھا۔

"ابر !!!" زیان نے اپنی لاڈلی بہن کے گرد بازو کا حصار بنایا۔ رخسانہ ان دونوں بہن بھائیوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"میں آجاؤں گا۔" یہ ایک بات نہیں تھی یقین دہانی تھی۔ سفر سب سے خطرناک چیز ہے یہ آپ کے پیاروں کو تب آپ سے دور کر دیتا ہے جب آپ نے خود انھیں دعاؤں کے ساتھ بھیجا ہو۔

ابرش نے آنکھیں اٹھا کر زیان کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں نمی تھی۔

"بھائی میں آپ کو مس کروں گی۔" آواز میں افسردگی لیکن اسے رونا نہیں تھا۔ بھائی کو ایسے نہیں بھیجنا تھا روتے ہوئے۔

"آہا!!! ضرور۔۔" وہ مسکرایا تھا۔ بھوری آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

"لیکن ایک بات یاد رکھنا اپنا اور امی کا بہت سارا دھیان رکھنا ہے، مجھے جب راولپنڈی پہنچ جاؤ تو اطلاع کرنا مت بھولنا، نماز کے لیے الارم یاد سے لگالینا۔۔۔" وہ ایک سانس میں شروع ہو گیا تھا۔ اسے ساتھ لگائے لگائے ہی وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

"امی کی بات سننا انھیں تنگ مت کرنا، شادی خوب انجوائے کرنا اور ہاں رشتہ داروں کو پریشان کرنا مت بھولنا۔۔"

"آخر انھیں بھی پتا چلے ہم ان کے رشتہ دار ہیں۔ ہناں؟" زیان کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ابرش نے اچک لیا تھا۔ اور پھر وہ دونوں بہن بھائی ہنسے تھے۔ زور سے ہاتھ پر ہاتھ مار کے۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔" رخسانہ بیگم ان دونوں کو ہنستا دیکھ رہی تھیں جو کچھ دیر پہلے اداس کھڑے تھے۔ ایک آسودہ سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"اچھا اوکے! دروازہ لاک کریں ابھی۔" اس نے اپنی ماں اور بہن دونوں کو ساتھ لگایا۔ وہ اکلوتا سربراہ تھا، گھر کا اکلوتا مرد اپنے سے جڑا ہر رشتہ اس کے لیے اہم تھا۔

"اللہ حافظ!!" بیگ کندھے پر درست کرتا وہ گھر کا دروازہ پار گیا۔

پچھے ابرش اور رخسانہ اس کے دھند میں او جھل ہونے تک دروازے پر کھڑی تھیں۔

oooooooo

"خون زیادہ بہہ گیا ہے اسپتال لے جانا ہو گا۔" لیڈی کا نسیبیل نے اس کو دیکھا جو فرش پر پڑی تھی۔ بائیں ہاتھ کی کلائی سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بو جھل تھیں، جیسے بہت سا بوجھ اتر گیا ہو۔ زندگی آسان ہو گئی ہو۔

oooooooo

"قیدی طوطا چشم ہوتے ہیں۔"

"وہ بھاگ گئی ہیں۔"

oooooooo

شیرازی ولاء میں ہلتے گھنٹہ گھر نے یہاں دس بجایا تھا اور وہاں گول مار بل کے زینہ سے ار مغان اترتا دکھائی دیا تھا۔ ملازمہ ہاتھ باندھیں کھڑی تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"گڈ مارنگ!!" ار مغان نے ڈاننگ ٹیبل کی کرسی کہسکاتے ہوئے عامرہ سے کہا جو سر جھکائے ٹوسٹ کھانے میں مصروف تھی۔

ملازمہ آگے بڑھ کر ار مغان کی پلیٹ میں ناشتہ کے لوازمات ڈال رہی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بابا نے ناشتہ کر لیا؟" کانٹا اٹھاتے ہوئے سر سری سا پوچھا۔

"جی کر لیا اور وہ دوائی کھا کر آرام کر رہے ہیں۔" ملازمہ نے جھٹ سے جواب دیا۔ پھر تابعداری سے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

"گڈ!" اس کے سرمئی بال جیل سے سیٹ تھے سفید ٹی شرٹ کے ساتھ ٹراؤزر پہنے وہ آرام دہ ہلیہ میں تھا۔ کانٹے سے آلیٹ کا ٹکڑا توڑتے اس نے عامرہ کی طرف نگاہیں کیں وہ ایسے ہی بیٹھی تھی گم سم۔

ارمغان کے پردے پر رات کا منظر واضح ہو رہا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے موبائل کو اس نے غور سے دیکھا جیسے پڑھنے میں غلطی ہو گئی ہو۔

"وہ بھاگ گئیں ہیں۔" ہاں یہ ہی لکھا تھا۔ لیکن کہاں؟ کیسے؟ کب؟

اس نے سکرین کے کونے پر بنا کال بٹن دبایا، گھنٹی جارہی تھی لیکن دوسری طرف کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

"ڈیم اٹ!! وہ کیسے بھاگ سکتی ہے؟" اس نے میز پر ہاتھ مارا بہت ساری نیلے رنگ کی فائلز زمین بوس ہوئی تھیں۔ نائٹ گاؤن میں ملبوس وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ اسٹڈی روم میں چلتے آئے سی کی کولنگ میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

اس نے موبائل اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ پھر فون کان سے لگایا۔ بیل جارہی تھی۔ ہونٹ دھیمادھیم ملتے ہوئے کچھ بڑبڑا رہے تھے۔

دولحہ کی خاموشی چھا گئی۔ کسی نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ کرسی سے اٹھ کر اب وہ ٹہل رہا تھا دائیں سے بائیں

بائیں سے دائیں۔

موبائل کان سے لگا تھا۔

"وہ کیسے بھاگ سکتی ہے مجھے بتائیں گے؟ آپ وہ کیسے گئی؟ اور اب میں اسے کہاں ڈھونڈوں؟" مخالف کے فون اٹھاتے ہی وہ برسا تھا۔ دایاں ہاتھ ماتھا سہلار ہاتھ تھا۔

"ارمغان صاحب انھوں نے ساتھی ملزمہ اور اپنے اوپر خود حملہ کیا تھا۔" ایس ایچ او کوئی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"حملہ!! سوہا حملہ نہیں کر سکتی۔" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ کیا وہ واقع بھاگ گئی ہے؟ یقین کرنا مشکل نہیں ناممکن تھا اس کے لیے۔

"انھوں نے اپنی نس کاٹی تھی۔" ارمغان کچھ بول نہ سکا۔ کیا اس نے خود کشی کی ہے؟ اس نے ٹیبل کی دراز کھول کر سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور ایک سگریٹ نکال کر وہ ہونٹوں میں دبا چکا تھا۔ سب کچھ ہضم کرنا مشکل نہیں ناممکن تھا۔

"خون بہت بہہ گیا تھا۔" دوسری طرف ایس ایچ او اسے آگاہ کر رہا تھا۔

"مجھے خون کی مقدار نہ بتائیں۔ یہ بتائیں وہ کہاں سے اور کیسے بھاگی ہے؟" لائٹراٹھا کر سگریٹ سلگائی۔

"تھانے کے پاس والے سرکاری ہسپتال سے۔" ارمغان نے سگریٹ ہونٹوں سے نکالی تو دھواں سا ہوا میں پھیل گیا۔

"اور آپ سے کس نے کہاں تھا اسے سرکاری اسپتال لے کر جانے کا؟" اس کی آواز طیش سے تیز ہو رہی تھی۔

ٹیبیل پر رکھی ایش ٹرے میں اس نے سگریٹ رگڑ کر جھاڑی، آنکھیں بند کر لی تھیں۔ موبائل اسپیکر پر کھول کر ٹیبیل پر رکھا تھا۔ بہت ساری گہری سانسیں لے کر اس نے خود کا نامل کیا۔ اب آنکھوں کی سرخی کم تھی۔

"کیا وہ کچھ لے کر گئی ہے؟ کوئی چیز ہسپتال سے جو غائب ہو؟" یہ غیر متوقع سوال تھا۔ دوسری طرف ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی۔ ار مغان نے موبائل۔ اٹھا کر فون کان سے لگایا۔

"جی!!" تھوڑی دیر بعد آواز ابھری تھی۔

"کیا؟" اسٹڈی روم کا دروازہ کھولتا وہ باہر نکلا۔

"کیا بد تمیزی ہے یہ!!!" عامرہ کی آواز اسے حال میں واپس لائی تھی۔

"اندھی ہو کام نہیں ہوتا تو ملازمت کیوں کر رہی ہو؟" کرسی سے کھڑی وہ ملازمہ پر چلا رہی تھی۔

"معدرت بی بی وہ غلطی۔۔۔" ملازمہ منمنائی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا غلطی ہاں! کام نہیں ہوتا تو مت کرو۔ سارے کپڑے خراب کر دیے ہیں۔" اپنے کپڑے جھاڑتی وہ ملازمہ پر برس رہی تھی۔

"عامرہ اب ہو گیا نالیوٹ۔ تم جاؤ۔" عامرہ کو تنبیہ کرتے اس نے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔

"آپ کی نظر میں، میں تماشا گار ہی ہوں؟" انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا گلابی رنگ کی شارٹ شرٹ پہنے بال کندھے پر کھلے تھے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" ار مغان نے کانٹے سے آلیٹ منہ میں ڈالا۔ عامرہ اسے ہی گھور رہی تھی۔

"بیٹھو۔" آنکھ سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مطمئن تھا۔ اور وہ ایسا ہی تھا۔ اس کے اندر کیا چل رہا ہے اس کا اندازہ لگانا سب کے بس کی بات نہیں ہوتی تھی۔

عامرہ واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سوہا جیل سے بھاگ گئی ہے۔" جگ سے گلاس میں اورنج جو س ڈالتا وہ سرسری سا کہہ رہا تھا۔ آواز بالکل نارمل تھی۔ تاثرات سپاٹ۔

عامرہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی تھیں۔ اس نے حیرانی سے ارمغان کو دیکھا تھا۔ جو جو س کا گلاس اس کے آگے رکھ رہا تھا۔

"کیا۔۔ کیا مطلب بھاگ گئی؟" آواز میں بے یقینی تھی۔

"اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ پولیس ڈھونڈ رہی ہے اسے۔" کہتے ہوئے اس نے جو س کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔

"لیکن وہ گئی کہاں؟" تجسس سے اس نے جو س کا گلاس اپنی طرف کیا۔ وہ کسی بچہ کی طرح سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔

"آئی ریلی ڈونٹ نو۔" گلاس سامنے میز پر رکھتا اب وہ نرم نگاہوں سے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔

"عامرہ! آپ نے اپنا خیال رکھنا ہے۔ کسی بات کو زیادہ نہیں سوچنا۔ کوئی نئی کتاب نہیں لکھنی فحال۔" انداز تنبیہی تھا۔

"اور اگر آپ چاہو تو وکیشنز پر چلی جاؤ۔" نہایت دھیمی آواز۔ جب وہ بولتا تو دل کرتا صرف اسے ہی سنو، شاید اس لیے وہ عوام کے درمیان سب سے مقبول صحافی تھا۔

"نہیں مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس نے سر اٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا۔ ار مغان اسے ہی سن رہا تھا۔

"میں آپ کے اور بابا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" اسے دیکھتے بات مکمل کی۔

"جیسا تم چاہو، میں فورس نہیں کروں گا۔" مسکرا کر اس کا گال تھپکا۔ عامرہ مسکرا دی۔

"دوائی لے لینا تم پر، مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔" رومال سے ہونٹ تھپتھپاتا وہ کھڑا ہو گیا۔

"اور ہاں گھر سے باہر مت نکلنا آج کم از کم۔" جاتے ہوئے وہ اسے نصیحت کرنا نہیں بھولا تھا۔

عامرہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ اس کے قدم ہمیشہ تیز چلتے تھے۔

پھر سامنے رکھی سٹر اگلاس میں ڈالی۔ اس کی آنکھیں سامنے لگے فوٹو فریم پر تھیں۔

جس میں آصف شیرازی کے ساتھ ان کے تینوں بچے کھڑے تھے۔ عامرہ، ار مغان اور مسکراتا ہوا ار حم شیرازی۔

oooooooooooo

"ماما!!!"

"بابا"

"مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔" وہ دور جا رہے تھے۔ اندھیرا غالب تھا۔

"نہیں پلیز۔" اس کی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔

"نہیں! مت مارو۔"

"سوہائی کیا ہوا؟ سوہائی بچے؟" نانو اس کے گال تھپتھپا رہی تھیں۔ جس کی آنکھیں بند تھیں اور گردن نفی میں ہل رہی۔

"سوہائی آنکھیں کھولو۔" پریشانی سے انھوں نے کمرے کی لائٹ کھولی۔

"حدید! عرزم! سوہائی۔" دونوں بھانوں کو آواز دیتیں وہ سوہائی کی طرف بڑھیں۔

"سوہائی! نانو ہیں۔" اس کے ساتھ بیٹھیں وہ اسے بٹھا رہی تھی۔

"نہیں!!!!!!" ایک چیخ کے ساتھ اس کی آنکھ کھلی تھی۔ پسینے سے شرابور اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئیں لگ رہی تھیں۔

"نانو!! وہ مار دیں گے۔ نانو!! وہ ماما بابا کو لے گئے۔" ان کے گلے لگتی وہ ہچکیوں سے رو دی تھی۔ کان اور گال سرخ ہو رہے تھے۔

"کوئی نہیں ہے سوہائی۔" اس کے بال سہلاتیں وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔ ابھی چند گھنٹے تو ہوئے تھے اسے آئے ہوئے۔ انھوں نے سوچا تھا یہاں آکر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔

"دادو!!" انھوں نے چہرہ پلٹ کر دیکھا۔ نائٹ ٹراؤزر ٹی شرٹ میں حدید دروازہ میں ایستادہ تھا۔ جب کہ اس کے پیچھے کھڑا عرزم (اب سے ذرا چھوٹا) منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

انھوں نے آنکھوں سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حدید نے ان کے گلے سے لگی سوہائی کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بال بکھرے ہوئے۔ وہ مسلسل کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ شاید کوئی برا خواب دیکھا تھا۔

وہ آگے بڑھا تھا۔ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا تھا۔ سیاہ۔ آنکھوں میں فکر مندی واضح تھی۔ شاید فی جگہ کا اثر تھا۔ اس نے محض سوچا گلاس اٹھا کر دادو کی طرف بڑھایا تھا۔ دادو اب سوہائی کو پانی پلاتی تھیں۔ وہ انھیں اشاروں میں کچھ بتانے کی سعی کر رہی تھی۔

پھر وہ عزم کو ساتھ لیتا باہر چلا گیا۔

وہ بیڈ، وہ کمرہ، نانو اور وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اکیلی تھی۔

یہ ایک دڑبے نما کمرہ تھا۔ جہاں چٹائی بچھی تھی، دو سنگل بیڈ تھے اور ایک الماری، الماری کے دروازے پر شیشہ لگا تھا۔ وہ ایک بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ پیلے رنگ کا بلب جل رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس لیے اندھیرا زیادہ تھا۔

اسے جیل سے بھاگے بارہ گھنٹے ہو گئے تھے۔ اس کو پولیس تلاش کر رہی ہوگی اور نہ صرف پولیس بلکہ بہت سے لوگ اس کی تلاش میں ہوں گے۔

اسپتال کے لباس میں ملبوس وہ بت بنی بیٹھی تھی۔ کالے رنگ کی چادر اور ایک پرانا سا بیگ ساتھ رکھا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ آگے کیا۔ کلائی پر پٹی بندھی تھی۔ ایک آنسو اس کے گال پر لڑکتا نیچے گر گیا۔ آنکھیں دھندلی ہوئیں تو اس کمرہ کی جگہ سلاخوں نے لے لیں۔

کئی آوازیں اس کے کان کے پردے سے ٹکرائیں۔ کیا وہ مرنے والی تھی؟ کیا اتنی جلدی موت مل جاتی ہے؟ اتنی جلدی رہائی؟

اسے اسپتال کے کمرے میں لے کر جا رہے تھے۔ اسٹریچر پر بچھا سفید رنگ کا کپڑا جگہ جگہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ اسٹریچر کے آس پاس بہت سے لوگ تھے۔ لیکن افسوس ان لوگوں میں کوئی اس کا اپنا نہیں تھا۔ پھر دروازہ بند ہو گیا۔ اس کی سنہری آنکھیں بھی بند ہو گئیں۔

لیڈی کانسٹیبل سمیت مزید تین اہلکار باہر کھڑے رہ گئے۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو پنکھا ہل رہا تھا۔

کیا وہ مر گئی؟ پھر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ایک دبلی پتلی لیڈی کانسٹیبل کھڑی اسے ہی گھور رہی تھی۔ گردن جیسے اکڑ گئی تھی۔ موڑنے پر درد ہو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں میچیں۔

"اے!! زیادہ ڈرامہ نہیں۔" منہ بنا کر کہتی وہ اسے ہی گھور رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آہ موت واقع آسان نہیں ہے۔" بایاں ہاتھ اٹھانا چاہا تو درد کی لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔

"کہانا ڈرامہ نہیں پہلے ہی رات کی ڈیوٹی بڑھوا دی ہے۔ کیا ملا یہ نوٹنکی کر کے۔" درشتگی سے اس کے ہاتھ پر مارتی وہ وہیں بیٹھ گئی۔

سوہانے آنکھیں بند کر کے درد برداشت کیا اور جب آنکھیں کھولیں تو وہ سرخ تھیں۔

اس نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ سنہری آنکھیں کہیں کچھ کھوج رہی تھیں۔ کیا؟ فرار۔

دونوں سائنڈ نیلے رنگ کے موٹے موٹے پردے ڈالے تھے۔ جن کا رنگ ٹیالا ہو گیا تھا۔ جبکہ سامنے کے پردہ ہٹا ہوا تھا۔ جس کا مطلب تھا یہ ایک جنرل واڈ تھا۔ بیڈ کے سائنڈ پر دیکھا کچھ بھی نہیں رکھا تھا۔ نہ کوئی دوائی نہ کوئی اور شے۔ پھر اوپر دیکھا ایک زنگ آلود اور جالوں سے اٹا پنکھا اپنی رفتار سے بھی سست روی سے چل رہا تھا۔ مطلب یہ سرکاری اسپتال تھا۔ گڈ!

اس نے آنکھیں بند کر لیں آگے کیا کرنا تھا وہ جانتی تھی۔

پھر بائیں آنکھ کھول کر کانسٹیبل کو دیکھا اس کے ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ اس میں مصروف تھی۔

پھر آنکھ بند کی تو ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"بلقیس کہاں ہے؟" آنکھیں بند کیے وہ کانسٹیبل سے مخاطب تھی۔

"رشتہ داروں کا پتا دینے نہیں بیٹھی ہوں میں یہاں۔" موبائل پر فون اٹھاتے اس کانسٹیبل نے نکوہت سے جواب دیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آنکھیں بند کیے کیے سوہا مسکرا دی۔

"ہاں ہیلو!! نہیں آج رات گھر نہیں آؤں گی۔ آہاں کھانا۔" وہ فون پر محو گفتگو تھی شاید اس کے شوہر کا فون تھا۔ یہ صرف سوہانے سوچا تھا۔

"مجھے واش روم جانا ہے۔" کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

"ارے فرزانہ کا تو مت پوچھو ڈیوٹی اس کی تھی چھوڑ کر مجھے چلی گئی کہتی میرا بیٹا بیمار ہے۔" وہ ہی عورتوں کی پرانی عادت۔

"اور صاحب نے دونے اہلکار بھیج دیے ایک میں ہی رہ گئی۔۔۔۔۔" باتیں ابھی بھی جاری تھیں۔

"مجھے واش روم جانا ہے۔" اب کی بار سوہانے اونچی آواز میں کہا تھا۔

"ایک سیکنڈ کیا کہا؟" موبائل اسپیکر پر ہاتھ رکھے وہ سوہانے سے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے واش روم جانا ہے۔" اس نے ضبط سے آنکھیں میچیں۔ بلقیس کے مشورے بھی بلقیس کی طرح ہوتے ہیں۔

"تو جامیر امنہ کیوں دیکھ رہی ہو۔"

"میں جاؤں؟" سوہانے تصدیق چاہی۔

لیڈی کانسٹیبل واپس باتوں میں مصروف ہو گئی۔

"اوکے۔" کندھے اچکاتے اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ جسم میں بہت درد تھا لیکن اسے یہاں سے نکلنا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے پاؤں نیچے کئے۔ پھر ساتھ رکھی پلاسٹک کی چپل پہنی جو کہ غنیمت تھا۔

دائیں ہاتھ کی کلائی کو مشکل سے اٹھا کر ساتھ کیا۔ اس میں بہت درد تھا۔ اسپتال کا لباس پہنے وہ آہستہ آہستہ آگے جا رہی تھی۔

برابر میں کوئی بچہ ایڈمٹ تھا۔ اس کے ساتھ اس کی ماں لیٹی سو رہی تھی۔ سوہانے ان دونوں کو دیکھا تو مسکرا دی۔

ماں کے سرہانے کالے رنگ کی چادر رکھی تھی۔ سوہانے کچھ سوچتے آگے بڑھ کر وہ چادر اٹھالی۔ لیڈی کانسٹیبل کی آواز پورے میں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بچہ کو دیکھا سادہ گھر کا لباس۔ اسے اسپتال کا لباس کیوں پہنایا گیا؟ خیر پروٹوکول۔

پھر آہستہ سے وہ آگے بڑھ گئی۔ چادر کھول کر سر سے اوڑھی۔ دائیں ہاتھ کی کلائی اندر ہو گئی۔ وہ دروازہ سے باہر نکلنے والی تھی جب اس کی نظر باہر پڑی، باہر دو اہلکار کھڑے تھے۔

"اففف" وہ جلدی سے اوٹ میں ہوئی۔

پھر جھماکا سا ہوا۔ یہ وہ اہلکار نہیں تھے جو صبح ڈیوٹی پر تھے۔ لیڈیز وارڈ تھا۔ یعنی انھوں نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ آرام سے چلتی باہر نکلی پھر وارڈ سے ذرا دور جا کر پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں اہلکار نیند میں جھول رہے تھے۔ اگر سرکاری ملازم چاہے کوئی بھی ہو اپنا کام ایمان داری سے انجام دے تو ملک کا یہ حال نہ ہو۔ اس نے محض سوچا اسے کیا وہ خود یہاں سے جانے والی تھی۔ راہداری میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی اس کے جسم میں درد تھا لیکن یہ درد پچھلی تکلیفوں سے بہت کم تھا اسے جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا بس۔

"ایکسیکوزمی! سنیں۔" اس نے ہاتھ سے ایک نرس کو روکا۔ سب کی ڈیوٹیز تبدیل ہوئی تھیں۔

"یہ کیا یہاں کوئی کیمرہ لگا ہے۔ اصل میں، میں اپنا بیگ بھول گئی ہوں۔ مل نہیں رہا۔" اس کی بات سن کر بالوں کا جوڑا بناتی وہ نرس ہنسی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے بی بی سرکاری اسپتال میں کہاں کیمرے اور جو لگے ہوتے ہیں وہ صرف فیشن میں لگتے ہیں، پہلی دفعہ آئی ہو کیا؟"

"ہاں ہاں!" سوہانے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا یہ دروازہ کہاں ہے باہر کا؟" نرس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ کالے رنگ کی چادر پیروں کو چھو رہی تھی۔ صرف پاؤں دکھ رہے تھے۔

"اصل میں میرے شوہر آئیں گے تو اس لیے۔" سوہانے اس کی نظروں سے خائف ہو کر وضاحت دی۔

"یہ ابھی تک آئی کیوں نہیں ایک منٹ رکنا ذرا۔" موبائل کان سے ہٹاتی لیڈی کا نسیبل وارڈ میں بنے واشروم کی طرف بڑھی۔ دروازہ بند تھا۔

"اے!! کہاں ہے کتنی دیر لگائے گی باہر آ۔" زور زور سے کہتی وہ دروازہ پیٹ رہی تھی۔

جواب ندارد۔

"یہاں سے سیدھا جا کر بائیں مڑ جاؤ۔ اور اپنے شوہر سے بولو اس گیٹ سے آئے یہ قریب ہے۔" اسے راستہ سمجھاتی نرس آگے نکل گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سوہانے اسے ذرا دیر جاتے دیکھا۔ کیا ایسے لوگ ابھی بھی تھے؟

وہ سر جھٹکتے آگے بڑھ گئی۔

"دروازہ کھولو۔" لیڈی کا نسیبل باہر کھڑی کہہ رہی تھی۔

ٹھک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا۔ اور ایک بوڑھی خاتون باہر نکلی تھیں۔

"کوئی ادب لحاظ ہے یاوردی پہن کر رعب جھاڑ رہی ہو۔" وہ لیڈی کانسٹیبل کو سنانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

"اماں جی وہ لڑکی۔۔۔ لڑکی کہاں ہے؟" اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"کون سی لڑکی؟" حواس باختہ لیڈی کانسٹیبل باہر کی طرف بھاگی تھی۔

"ایکسیوزمی!!" یہ مین گیٹ ہے نا؟" چوکیدار نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا مجھے فون مل سکتا ہے؟ اصل میں میرا فون اندر رہ گیا ہے۔" سوہانے بے چارگی سے پوچھا۔

چوکیدار نے چھوٹا سا بٹنوں والا فون اس کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ! میں بس ابھی واپس کرتی ہوں۔"

"ارے نہیں دوسرے والے گیٹ پر ارے بھئی اچھا میں آتی ہوں۔" اب وہ کان سے فون لگائے باتیں بنا رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بھائی میرے شوہر آئے ہیں میں ایک منٹ میں آئی۔" چوکیدار سے کہتی وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"کہاں گئی وہ؟ ڈوہونڈو اسے۔" لیڈی کانسٹیبل باہر کھڑے اہلکاروں پر برس رہی تھی جن کی نیند ایک منٹ میں اڑن چھو ہوئی تھی۔

پورا اسپتال روشن ہو گیا تھا۔ لیکن سوہائی شیرازی کسی کو نہیں ملی تھی۔

بلقیس نے خبر سن کر سکون سے آنکھیں موندی تھیں۔

"میرے اتنے مختصر سوال کے جواب میں آپ نے پوری کہانی سنا دی ہے۔" لکڑی کرسی پر بیٹھا ارمان سامنے کھڑی کانسیبل سے مخاطب تھا۔ کہنی کرسی کی ہتھی پر کر رکھی تھی جب کہ شہادت کی انگلی گال پر رکھے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ ایس ایچ او اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔

"وہ اتنی جلدی کیسے بھاگ سکتی ہے؟" ارمان نے کانسیبل کو گھورا کیا پتا کچھ چھپا رہی ہو۔

"سر میں نے جو سچ تھا بتا دیا۔ وہ کہیں نہیں ملی اسپتال کے باہر بھی ڈھونڈا وہ نہیں تھی۔" کانسیبل اپنی طرف سے صفائی دینے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"اور چوکیدار کا موبائل؟" سیاہ تھری پیس پہنے اس کے سرمی بال جیل سے سیٹ تھے۔

"یہ ایک ہی چیز ہے جو اسپتال سے غائب ہوئی۔" کانسیبل نے جواب دیا۔

"اور تو کچھ نہیں؟" وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"جی نہیں۔"

"خیر! مجھے اس سم کارڈ کا نمبر چاہئے جو موبائل میں لگی ہے۔" اس نے ایس ایچ او کو دیکھا جنہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اور مجھے وہ بھی واپس چاہئے۔ میری کمشنر صاحب سے بات ہو گئی ہے آپ اسے ڈھونڈیں کہیں سے بھی کیسے بھی۔" پھر وہ اٹھ گیا۔

سن گلاسز آنکھوں پر لگائے۔ اور کوٹ کا بٹن بند کیا۔

بوٹ میں مقید پاؤں آگے بڑھے لیکن پھر وہ رکا۔ شیڈ کے اوپر سے آئبروز اٹھائیں۔
 "اور یہ کانسیبل سسپینڈ ہیں آج سے۔" چشمہ کے پیچھے سے کانسیبل کو دیکھتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

oooooooooooo

کراچی کے اس تھانے سے دور ایڈنبرا کی پتھر سے بنی سڑک پر گاڑی اپنی رفتار سے چل رہی تھی۔ سورج طلوع ہوئے ذرا ہی دیر ہوئی تھی۔ ابھی سڑکوں پر رش کم تھا۔ سیاح اپنے اپنے ہوٹل میں اور مقامی لوگ کاموں پر نکل گئے تھے۔ سورج کے ارد گرد بادل پھیلے ایک حسین منظر بنا رہے تھے۔

گاڑی کی پچھلی نشست پر حورین اسکول یونیفارم میں بیٹھی تھی اور اس کے بالکل ساتھ کانوں میں ایئر پوڈز لگائے ٹیب پر حدید نیوز سن رہا تھا۔
 "بابا" حورین نے اس کا کندھا ہلایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہمم!!" حدید نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

"کیا ہم۔۔۔ چکس کے پاس جاسکتے ہیں؟" معصومیت سے آنکھیں جھپکتے سوال کیا تھا۔ اردو میں ذرا سا معمہ تھا۔

حدید نے ٹیبل بند کر کے سائنڈ پر رکھا۔

"ہم چلتے لیکن آپ کے اسکول آف نہیں ہیں اور بابا کو کام بھی زیادہ ہے۔" اس کا گال تھپتھپاتے وہ نرمی سے بات کر رہا تھا۔

"تو چکس آسکتا ہے؟" اس نے پھر سوال کیا بال دوپونیاں میں مقید تھے۔

"ہیں۔۔" حدید نے اس کی تصحیح کی۔

"کیا پتا وہ آجائیں۔" اس کے ہونٹوں پر ایک نرم مسکراہٹ تھی۔ گال پر پڑتا گڑھا واضح ہو رہا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کا کوٹ پہنے کالے بال دائیں طرف سیٹ تھے۔

ڈرائیور نے گاڑی روک کر پیچھے کا دروازہ کھولا تو حدید حورین کو گود میں لیتا باہر نکلا۔ اسکول آگیا تھا۔

"بابا لینے آئیں گے اوکے اور آج ہم ڈنر پر چلیں گے۔" پیار سے کہتے اس نے اس کے ماتھے پر بوسا دیا بد لے میں حورین نے بھی اپنے بابا کے گال پر پیار کیا تھا۔

"بائے بائے!!!" حدید کو ہاتھ ہلاتی وہ اسکول کے اندر چلی گئی تھی۔

حدید واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔ کوٹ کی اندرونی جیب سے موبائل نکال کر اس نے عزم کا چیت کھولا۔

"گھر کب آرہے ہو؟" پیغام لکھ کر سینڈ کر دیا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ندا کے نام سے میسج جگمگا رہا تھا۔

"مجھے بات کرنی ہے۔ فری ہو کر کال کرنا۔" وہ جانتا تھا کیا بات کرنی ہے۔ سرسری سادیکھتے اس نے پھر

موبائل واپس جیب میں ڈال لیا۔

گاڑی Tour and dream کی طرف گامزن تھی۔

oooooooooooo

"کیا ہم پاکستان جا رہے ہیں؟" پچھلے تین گھنٹے سے رومانہ یہ سوال کوئی تین سو مرتبہ دہرا چکی تھی۔ لیکن جواب ندارد۔

وہ دونوں اس وقت لندن کے مشہور ویسٹ فیلڈ westfield مال میں کھڑے تھے۔

عرزم نے ہینگرز میں منہ دیا ہوا تھا جبکہ رومانہ ایک دم پر فیشنل انداز میں اس کے عقب میں کھڑی تھی۔ بیگ کندھے پر ڈالے، سیاہ پینٹ کے ساتھ لانگ شرٹ بال پونی ٹیل میں بندھے تھے۔ اس کے چہرے سے بیزاری صاف جھلک رہی تھی۔ چشمہ کے حالے میں بلی جیسی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ صبح سے خوار کروا رہا تھا۔ ("کیا ہوتا جو اس کی یادداشت چلی جاتی۔ اور یہ بھول جاتا کہ رومانہ نام کی کوئی مخلوق بھی اس دنیا میں ہے، ہونہ۔")

ایک گارڈ ساتھ کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں کافی سارے ہینگرز تھے۔ رومانہ کے برعکس براؤن کلر کی ہائی نیک اور سفید پینٹ کے ساتھ چہرے پر ماسک لگائے چند بال عرزم کے ماتھے پر گر رہے تھے۔ گلے میں پلاٹینم کی چین دکھ رہی تھی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے۔" رومانہ نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

"کیا میں نے جواب نہیں دیا؟" اس کی طرف مڑتا وہ گارڈ کو ایک اور ہینگر پکڑوا رہا تھا۔ ماسک کے اوپر سے صرف سیاہ آنکھیں دکھ رہی تھیں۔

یہ اس لیے تھا کیونکہ وہ پبلک فیکر تھا۔ لوگ سیلفیز کے لیے آ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ذرا سے مقبول لوگ بھی انسان ہوتے ہیں۔

"کیا ہم ایگزیشین کے لیے ابھی سے جارہے ہیں؟" آواز میں معصومیت تھی۔ وہ تنگ آگئی تھی۔
 "ہم نہیں میں۔ اوہ! سوری میں کسی انجان شخص سے بات نہیں کرتا۔" اسے جواب دیتا وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔
 رومانہ کا منہ کھل گیا۔

"میں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوں۔" ایمو شنلی بلیک میل، آخری حربہ۔
 "میری بیسٹ فرینڈ کل ہی اپنی جاب سے رزائن دے کے گئی ہے۔" وہ پلٹا نہیں تھا۔
 "ہاں تو!! پی اے نے دیا ہے رومانہ نے تھوڑی۔ ویسے ہم جا کہاں رہے ہیں؟" بے چارگی سے صفائی دی گئی۔
 "مس رومانہ میں آپ کو بتانا پسند تو نہیں کرتا لیکن۔" وہ پلٹا تھا آواز ماسک کی وجہ سے ذرا دھیمی تھی۔
 "لیکن میں ایڈنبرا جا رہا ہوں۔" اس کی سیاہ آنکھیں کونوں سے پھیلی تھیں، جیسے ماسک کے پیچھے اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے ہوں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مگر ہمیں تو پاکستان جانا ہے ایڈنبرا کیوں؟" اس کے چہرہ سوالیہ تھا۔

"سوری لیکن میں آپ کو بتانا نہیں چاہتا۔"

"ہیلو عزم!!! تم یہاں۔" رومانہ نے اس پکار پر پلٹ کر دیکھا تھا۔

کہنی پر بیگ لٹکائے، ہائی ہیلز پہنے، بال کندھوں پر رول ہوئے تھے جبکہ ہونٹوں پر سرخ گہری لپسٹک، شارٹ شرٹ اور گھٹنوں سے ذرا نیچے تک کا اسکرٹ پہنے وہ چلتی ہوئی آرہی تھی۔ "ہیلو عزم!!" رومانہ نے منہ بنا کر اداکاری کی تھی۔

"مجھے بتاتے میں سارے آرٹیکل بھیج دیتی یہاں آنے کی زحمت کیوں کی۔" اکٹری ہوئی گردن کھڑی مغرور ناک کسی پلاسٹک کی گڑیا جیسا سراپا، یہ لندن کی مشہور فیشن ڈیزائنر سوزینا تھی۔

"نو تھینکس میں آج فری تھا، بل کروالو۔" اسے جواب دیتا وہ ساتھ کھڑی رومانہ سے مخاطب تھا۔

"اوہ رومانہ، ڈنیر تم بھی یہاں ہو۔" اکٹری ہوئی گردن رومانہ کی طرف گھومی تھی۔

تاثرات ڈھیلے چھوڑے رومانہ زبردستی مسکرائی۔ پھر عزم کو اشارہ کرتی بل کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

"اچھا ہوا تم مجھے یہاں ہی مل گئے۔ جو چیک تم نے مجھے دیا تھا وہ باؤنس ہو گیا۔" مصنوعی آواز جیسے وہ بنا کر بول رہی ہو۔

"اوہو! اصل میں کیا ہے نامیں آجکل غریب چل رہا ہوں۔ پچھلے تین دن سے کوئی ویڈیو نہیں ڈالی ہے، نہ کوئی ٹرانزیکشن کی ہے۔ امید کرتا ہوں تم پے منٹ ڈیو کر دو گی۔" اشارہ شاپنگ کی طرف تھا۔

"افکار س کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"کیشیر پے منٹ بعد میں ہو گی۔" وہ کاؤنٹر کی طرف پلٹی تھی اور زور سے کہا تھا۔ رومانہ نے پہلے عزم کو دیکھا پھر اس پلاسٹک کی گڑیا کو۔ وہ ان کی باتیں نہیں سن سکی تھی۔

"تھینکس آلات میں نیاچیک فی ڈیٹ کے ساتھ بھجوا دوں گا۔ امید ہے تم نے مائنڈ نہیں کیا ہو گا۔" خالص شیریں لہجہ۔

"ناٹ ایٹ آل!" نزاکت سے بالوں میں انگلی پھیرتی وہ واقعی مصنوعی لگ رہی تھی۔

رومانہ عرزم کو شیشہ کے دروازے کے پار کھڑی گھور رہی تھی تبھی عرزم کا فون بجا۔ وہ موبائل کان سے لگا رہا تھا، رومانہ اسے دیکھ سکتی تھی۔

موبائل سکرین پر کیپیٹل K بنک کر رہا تھا۔

"ہیلو!" وہ ذرا سا پیچھے ہوا تھا۔

"میج دیکھ لیا؟"

"کوئی میج کیا تھا؟" وہ انجان بنا تھا۔ آواز بالکل شستہ اور آہستہ تھی۔

"کہاں ہو؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میں بس آفس سے۔۔۔" کان کی لو مسلتے وہ کوئی بہانا تلاش کر رہا تھا۔

"تم اس وقت مال میں کھڑے ہو۔" عرزم کو دوسیکنڈ کی چپ لگی تھی۔

"شاپ نمبر اور فلور نمبر بتاؤں؟" مہذب انداز۔

عرزم نے چہرہ اٹھا کر گلاس ڈور کے پار کھڑی رومانہ کو دیکھا۔ بدلہ میں رومانہ نے پوری بتسی کی نمائش کی تھی۔

(اگلی بار میں خود اسے فائر کرونگا۔)

oooooooo

ابرش نے وہ فارم باہر نکال کر دیکھا۔ پہلے صفحہ پر عرزم خانزادہ کی تصویر چھپی تھی۔ اس نے فارم ابھی تک نہیں بھرا تھا۔ پھر پرس سے پین نکالا۔ بس چل رہی تھی۔ وہ لوگ راولپنڈی جا رہے تھے۔ رخسانہ آنکھیں بند کیے سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے بیٹھی تھیں۔ تین گھنٹے کا راستہ تھا۔ اس نے پین نکال کر فارم اپنی گود میں رکھا۔ تاکہ ہلے نہیں۔ پھر پین سے اسے بھرا۔ نام، پتہ، شرکت کی وجہ اور سب چیزیں بھر کر اس نے فارم اونچا کیا۔ کوئی غلطی تو نہیں ہوئی؟ نہیں سب سہی تھا۔ پھر فارم موڑ کر واپس بیگ میں ڈال لیا۔ کھڑکی سے ہوا آتی اس کے بال اڑ رہی تھی۔ اس نے کہنی کھڑکی پر رکھی پھر مٹھی پر تھوڑی پر ٹکا کر ہوا کو محسوس کیا۔

ایک سیکنڈ کے لیے اب وہ موبائل نکال کر انسٹا کھول رہی تھی۔ سرچ کے آپشن پر سب سے پہلا نام عرزم دا خانزادہ تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کانوں میں بینڈ فری لگائے اب وہ موبائل سکرال کر رہی تھی۔

oooooooo

مرسدیز کے ٹائر بریک پر چرچرائے تو گارڈ نے آگے بڑھ کر پچھلا دروازہ کھولا۔ کالے چمچاتے بوٹ باہر رکھتا ار مغان کوٹ کا بٹن بند کرتا اترتا تھا۔ کراچی کے سورج نے اس کا استقبال کیا تھا۔

چہرے پر ذرا پریشانی نہیں تھی۔ مسکرا کر گارڈ کو ہاتھ ہلایا ساتھ دو باڈی گارڈز تھے۔ وہ چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ قدموں کی رفتار تیز تھی۔

گلاس ڈور اس کے بلڈنگ میں قدم رکھنے کے بعد عقب میں بند ہوا تھا۔

نیوز کواٹر میں سب اپنے کاموں میں لگے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کیبنز میں صحافی اور رپورٹرز اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ایک ہلکی سی خوشبو پورے میں پھیلی تھی، باہر کی نسبت اندر خاصی گہما گہمی تھی۔ نیوز کوارٹر ہمیشہ چاک و چوبند رہتا ہے۔ سادہ مگر ایک مسکراہٹ لیے اس کی چال بے نیاز تھی۔

وہ چلتا ہوا گلاس ڈور لفٹ کے پاس رکا گاڑنے آگے بڑھ کر بٹن دبایا۔ لفٹ نیچے آرہی تھی۔ لفٹ کے نیچے آتے ہی پہلے ارمغان اندر داخل ہوا اور پھر دونوں گاڑے۔

پہلے فلور پر پہنچ کر ماحول میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا یہاں بھی ویسے ہی کیبنز تھے لیکن ذرا کشادہ یہاں شو ہو سٹ بیٹھتے تھے اسٹوڈیو اوپر تھا۔

وہ چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دونوں گاڑے ہمراہ تھے۔
آس پاس سے کوئی چپڑا سی یا معمولی کام والا بھی گزرتا تو سلام کرتا ابھی وہ اپنے کیبن کا دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ ---
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"شیرازی صاحب!!" آواز عقب سے آئی تھی، وہ پلٹا تھا سیاہ آنکھوں نے پکارنے والی شخصیت کا ایکسرے کیا تھا۔

"خیریت آج آپ شو کے ٹائم سے بہت پہلے آگئے؟" سوال کرنے والا اسی کا ہم عمر دانیال خان تھا۔ سفید شرٹ، بلیک پینٹ کے ساتھ ٹائی گلے میں جھول رہی تھی۔

ارمغان نے انتہائی غیر دلچسپی سے اسے دیکھا لیکن ہونٹوں کی مسکراہٹ برقرار تھی۔ وہ قریب آگیا تھا، گارڈز ہاتھ باندھے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔

"اگر میں کہوں کہ میں بتانا پسند نہیں کرتا تو؟" اس نے آنکھیں گھمائیں تھیں۔

"ہا ہا ہا!! جناب آپ بتائیں یا نہ بتائیں آپ کے متعلق بات تو جنگل میں آگ کی طرح پھیلتی ہے۔" اس کی بات ہوا میں اڑتے اندھیرے میں تیر پھینکا تھا۔

"آپ کی اس بات کے مطابق تو میں خاصا مقبول ہوا۔" ارمغان ہنسا تھا۔

"تو پھر آپ کو کچھ اطلاع ملی کہ وہ کہاں بھاگی ہے؟" گفتگو کس نوعیت کی تھی اس کا اندازہ ارمغان کو تھا۔ چند ایک لوگوں نے کام سے ہاتھ روک کر کین سے جھانکا تھا۔

"نو کامنٹ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔" اتنے تحمل سے بات کرتا وہ کوئی اور ارمغان لگ رہا تھا۔

"اور آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہے کہ میں آپ کو کچھ بتانے کا روادار ہوں؟" آواز میں نرمی کے ساتھ ساتھ درشتی بھی شامل تھی۔

"نیوز ہیڈ کوارٹر میں کوئی چیز ذاتی نہیں ہوتی ارمغان صاحب، کیونکہ یہاں دیواروں کے کانوں کے ساتھ ساتھ زبانیں بھی ہوتی ہیں۔" گہرا طنز تھا اور ارمغان ایسے طنز خوب سمجھتا تھا۔ فلحال وہ صرف اسے سن رہا تھا۔

"اور ویسے بھی ارجم شیرازی ایک سرکاری رکن تھا تو معاملہ ذاتی کیسے ہو سکتا ہے؟" لبوں پر دل جلا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

"آہ! اگر ایسی ہی بات ہے تو کیا میں ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟" کمال بے نیازی سے سوال کیا گیا تھا۔
دانیال نے کندھے اچکائے۔ ارمغان ذرا سا آگے بڑھا تھا۔

"کیا آپ کی بہن واپس آگئی؟" سوال تھا یا کیا دانیال کے لبوں سے مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی تھی۔ وہ سن ہو گیا تھا کما کم اس بات کی توقع اس نے نہیں کی تھی۔ اور اس وقت تو بالکل نہیں۔

ارمغان نے بڑے غور سے اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"وہ کیا ہے نانیوز ہیڈ کو ارٹر میں دیواروں کے کانوں کے ساتھ ساتھ زبانیں بھی ہوتی ہیں۔" سادہ سا لہجہ،
چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ سامنے والے کو گویا چپ لگ گئی تھی۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔" گلا کھنکار کر وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"دانیال صاحب اگر میرا معاملہ ذاتی نہیں تو آپ کا کیسے ہو سکتا ہے۔" آگے بڑھ کر اس کے دونوں
کندھوں پر ہاتھ رکھے۔

"لیکن کیا ہے نا بہن بیٹیاں عزت ہوتی ہیں۔ جب اپنی چار دیواری میں اپنی عزت کی پرواہ ہو تو اگلے کی
عزت کا بھی خیال کرنا چاہئے۔" دائیں کندھے پر ہاتھ مار کر نادیدہ گرد جھاڑی۔

"امید ہے اگلی بار میرا معاملہ ذاتی رہے گا ورنہ آپ جانتے ہیں کسی کا معاملہ ذاتی نہیں رہے گا۔" بات نہیں
تھی وارننگ تھی۔

"کیونکہ دیواروں کی زبانیں ہو یا نہ ہوں ارمغان کی آنکھیں ہر طرف ہوتی ہیں۔" مسکرا کر وہ پلٹا تھا اب
کہ چال میں ایک الگ بے نیازی تھی۔ دونوں گارڈ اس کے پیچھے ہو لیے تھے۔ گ

"کیا تماشہ دیکھ رہے ہیں آپ لوگ اپنے اپنے کام کریں۔" ٹائم کی ناٹ ٹائٹ کرتا وہ زور سے چیخا تھا۔ سر جھکائے سارے لوگ ایک بار پھر اپنے کاموں کو جت گئے تھے۔

oooooooooooo

"السلام علیکم!" حدید گلاس ڈور دھکیلتا اندر داخل ہوا تھا۔

"گڈ مارنگ!" مرکزی میز کے ساتھ بیٹھے اس شخص نے نہایت جوش سے کہا تھا۔

یہ حدید کا آفس تھا۔ کشادہ سالیکن مختصر، ہر چیز سیٹل۔ ایک طرف کوٹ ہینگر تھا جب کہ دوسری طرف ریگیز پر بہت سی فائلز تھیں۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تم ٹائم پر پہنچ جاؤ گے۔" کوٹ ہینگر میں ٹانگتا وہ میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا۔
کرسی ذرا پیچھے کھسکائی تھی۔

"ہم تو ٹائم کے پابند ہیں البتہ آپ ذرا لیٹ ہیں۔" آواز آہستہ تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"چائے، کافی؟" رسیور ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کافی۔"

"دو کافی روم میں اوکے۔" رسیور واپس رکھتا اب وہ فرصت سے میز کی طرف مڑا تھا۔

تو جناب ایسی کونسی چیز ہے جو بیرسٹر صاحب کو پہلے اسکاٹ لینڈ اور پھر ایڈنبرا میں میرے آفس تک لے آئی؟ "کہنی میز پر رکھے تھوڑی دائیں ہاتھ کی مٹھی پر ٹکائے وہ بالکل ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ بال دائیں طرف سیٹ تھے۔ سیاہ آنکھیں سامنے بیٹھے شخص پر تھیں۔

"ایک فائل اسٹڈی کر رہا ہوں آج کل۔" ذرا سا توقف۔ ہاتھ سے اشارہ سامنے سیاہ کور والی فائلز پر تھا۔
 بیرسٹر سیم لندن کا جانا مانا وکیل، حدید کا دوست۔ وہ کالج میں ساتھ تھے پھر حدید نے بزنس منتخب کیا اور سیم
 لغاری نے وکالت۔ اس کے بال قلموں سے سفید تھے۔ ویسے تو وہ حدید کی عمر کا تھا لیکن حدید کی بنسبت
 اس کے چہرے سے عمر جھلکتی تھی۔

"اوہ گاڈ! کیا میں کرپشن کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوں؟" لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"نہیں بالکل نہیں ایسا نہیں ہے بات کچھ اور ہے۔" سیم نے ہنستے ہوئے ہاتھ سے فائل حدید کی طرف
 کہسکائی تھی۔

حدید نے پہلے اس فائلز کو دیکھا تھا پھر اس کو۔

"کہو کیا بات ہے؟" سوالیہ انداز۔ تھوڑی پھر سے ہاتھ پر جمالی تھی۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ ندا اور حورین کیسی ہیں؟" مسکرا کر پوچھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ تم بات جاری رکھو۔" وہ جیسے جاننا چاہتا تھا کہ کونسا کیس ہے۔

"کیا میں سوہائی کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟"

حدید ٹھہرا تھا اس کے لب واہوئے تھے۔ دروازے پر ہوتی دستک، ہاتھ پر رکھی اس کی تھوڑی اور سامنے
 والے کی بات سب کچھ جیسے تھم سا گیا تھا، بے معنی۔ کوئی چیز باقی تھی تو وہ، وہ تھی جو حقیقت میں معنی
 رکھتی تھی۔

oooooooooooo

کراچی سے کئی میل دور اسلام آباد کے ساتھ قائم اس کے جڑواں بھائی کم یعنی راولپنڈی کا رخ کرو تو بادل نے آسمان کا گھیرا کیا ہوا تھا۔ کراچی کے مقابلہ یہاں کافی ٹھنڈ ہے جنوری کی جاتی سردیوں میں لوگ ابھی بھی شال پہنے ہوئے تھے۔

ایسے میں آبادی کے بچے ایک چھوٹا سا دو منزلہ گھر تعمیر ہوا تھا۔ اس کی دیواریں لال اینٹوں سے سینیچی گئی تھیں۔

"امی بس ذرا یہ مسکارا لگالوں۔" لال اینٹوں والے گھر میں اس دوسری منزل پر بنے کمرے میں ابرش آئینہ میں دیکھتی آنکھوں پر مسکارا لگاتے ہوئے رخسانہ بیگم سے مخاطب تھی جو اپنی شال سنبھالتی بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

ان کے برعکس مرہون رنگ کی انارکلی فراک پہنے وہ مکمل تیار تھی۔ بھورے بالوں کو کندھے پر کھلا چھوڑا گیا تھا۔

وہ دوپہر میں تین بجے راولپنڈی پہنچے تھے اور اب ابرش برات کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ بھلا شام میں شادی کون رکھتا ہے؟ تین گھنٹے کے سفر کہ بعد پہنچے ہیں ذرا خیال نہیں ہے؟ بہت سے اور سوالوں کے بعد وہ بالآخر تیار ہونے کھڑی ہو گئی تھی اور اب اس کی تیاری مکمل ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"تم لگاتی رہو یہ میں ذرا بھائی کو دیکھ کر آتی ہوں۔" اپنی شال پکڑتی وہ باہر چلی گئی تھیں۔

"کیا ہو جاتا جو بھائی آ جاتا۔ میں اکیلی بور ہو گئی ہوں۔" آخری دفعہ آئینہ میں خود کو دیکھتی وہ با آواز بلند گفتگو کر رہی تھی۔

"ابر!!" پکار دروازے کے پاس سے آئی تھی۔ ابرش نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

جہاں جامنی رنگ کا عبا یہ پہنے نقاب کے حالے میں اس لڑکی کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں بازو کھولے اسے بلارہی تھی۔

"ریشمے آپنی!!! ابرش مسکار رکھتی جلدی سے آگے بڑھ کے اس کے گلے لگی تھی۔

"آپ کہاں تھیں؟ میں نے آتے ہی آپ کا پوچھا تھا، لیکن ممانی نے جواب ہی نہیں دیا۔" اس کے گلے لگے لگے ابرش کی باتوں کی ریل ایک بار پھر پٹھری پر آگئی تھی۔

"میں ذرا مد رسہ تک گئی تھی۔ تم بتاؤ کیسی ہو؟ کتنی پیاری لگ رہی ہو ماشاء اللہ۔" ریشمے نے اس کے دونوں گال کھینچے تھے۔

"اللہ! آپنی میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔"

"میرے لیے تو تم اب بھی وہی ابر ہو چھوٹی سی جس کی میں دوپونیاں باندھتی تھی۔" اس کی آواز نرم تھی ایک دم سکون بخش، نقاب کے حالے میں اس کی صورت واضح نہیں تھی لیکن اس کی آنکھیں بہت حسین تھیں۔ جن میں کاجل کی لکیر گہری تھی۔

"پہلے تو آپ کو بہت بہت مبارک یونیورسٹی کے لیے۔" ابرش ایک بار پھر اس کے گلے لگی تھی۔

"شکریہ ابر!"

"اب تو آپ اسلام آباد چلیں گی نا؟" وہ سوال کر رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں ابو کو چھوڑ کر کیسے آؤں گی۔" آواز میں پریشانی تھی۔

"ارے میں تو بھول ہی گئی پھو بلارہی تھیں۔" سر پر ہاتھ مارتی وہ جیسے یاد کر رہی تھی۔

"جلدی چلو۔" ابرش کا ہاتھ پکڑتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

oooooooooooo

بھانپ اڑاتا کافی کا مگ ٹیبل پر رکھا تھا۔ دوسرا مگ سیم کے ہاتھ میں تھا۔ وہ سر اٹھائے حدید کو دیکھ رہا تھا۔ جو اس کے بالکل سامنے ٹیبل کے کنارے پر بیٹھا تھا۔

اس کی نظر بھٹکی ہوئی لگ رہی تھی۔ کچھ تلاش کرتی ہوئی۔

"وہ ہمیشہ سے ایک ہنستی مسکراتی لڑکی تھی۔" مگ کی اوپری سطح پر انگلی پھیرتا وہ آہستہ سے مخاطب تھا۔

ذہن کے پردے پر ایک چہرہ ابھر رہا تھا مسکراتا ہوا جس کے سنہری بال ہوا کے زور پر اڑ رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ پھر روتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

"اور اگر میری آنکھیں آئینہ ہوتیں تو وہ دیکھ پاتی کہ وہ کتنا خوبصورت ہنستی ہے۔" ایک آسودہ سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا، نظریں کافی کے مگ پر جمی تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

oooooooooooo

کیا وہ کبھی مسکراتی تھی؟ الماری کے شیشے کے سامنے کھڑی وہ خود سے مخاطب تھی۔ دودھیارنگ پیلا ہو گیا تھا، اسپتال کا میلا گدا لباس پہنے مظلوم سی لڑکی، کبھی ایسی لڑکی کا کردار اس نے افسانوی کہانی میں پڑھا تھا۔ اور اب حقیقی دنیا میں وہ اس کے سامنے کھڑی تھی آئینہ میں مقید۔۔۔ وہ اس کا اپنا عکس تھا۔

oooooooooooo

"شروع شروع میں وہ راتوں کو ڈر جاتی تھی لیکن پھر سب سہی ہو گیا تھا۔" کافی کا مگ اسی طرح رکھا تھا۔

“It has been 6 years since we met”

ایک سرد آہ اس نے ہوا کے سپرد کی تھی۔

سیم اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

سیاہ آنکھیں باہر کھلتی کھڑکی پر ٹھہری تھیں۔

”ایسا لگتا ہے وہ اب بھی یہیں ہے۔ آس پاس ہے کہیں نہیں گئی۔“ ایک دم دھیمی آواز سیم کو کان لگا کر سننا پڑ رہا تھا۔

oooooooo

الماری کھول کے اس نے اندر جھانکا چند ایک جوڑے رکھے تھے۔ یہ کوئی دار لاماں تھا۔ اس کے ساتھ رہنے والی دوسری لڑکی کے کپڑے تھے۔ وہ کبھی اس سے کوئی جوڑا نہ لیتی لیکن اسپتال کے میلے اور بدبودار کپڑوں میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

oooooooo

”میں نے شاید اسے پایا ہی اس لیے تھا کہ کھودوں۔۔۔“ شکست خور انداز میں اس نے کافی کامگ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا تھا۔ کافی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

کان میں ایک شناسہ سی آواز سنائی دی تھی ”مسٹر خانزادہ“ جیسے وہ اسے پیچھے سے پکار رہی ہو۔

لائلک رنگ کی پیروں کو چھوتی فراک پہنے وہ چلتی ہوئی اس کی طرف آرہی تھی۔

"اور رہی محبت تو وہ اسے ہمیشہ یاد رکھنے کے لیے کی۔۔۔" وہ مسکرایا تھا، مدھم سا۔

oooooooo

الماری سے لان کا ایک سادہ سا سوٹ نکالتی وہ مڑ گئی تھی۔

oooooooo

"لیکن ایک بات تم نے کیوں پوچھا سوہا کا؟" آواز میں حیرانی تھی۔ جب کہ اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی کا عنصر تھا۔

کیا وہ رو رہا تھا؟

وہ فلائٹ جو لندن سے اسکاٹ لینڈ آرہی تھی، کیا تمہیں انہوں نے سوہا کی کوئی آئی ڈینٹٹی کے لیے کچھ دیا تھا؟" وہ الٹا اس سے سوال کر رہا تھا۔ کافی پی کروہ مگ ٹیبل پر رکھ چکا تھا۔

حدید اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور پہلے کی طرح اس نے مرکزی نشست سنبھالی تھی۔ ساتھ ہاتھ بڑھا کر دراز کھولی تھی۔ اس میں ایک بریسلٹ تھا موتیوں سے بنا بریسلٹ۔ کوئی کوئی موتی ٹوٹا ہوا تھا بلکہ سارے موتی ٹوٹے ہوئے تھے یہ کہنا بہتر تھا البتہ دو موتی ساتھ بالکل صحیح سلامت تھے۔

اس نے بریسلٹ ہاتھ میں لے کر چند سیکنڈ دیکھا۔ پھر میز پر رکھ دیا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ؟" سیم نے ایک نظر میز پر رکھے اس بریسلٹ کو دیکھ کر پوچھا۔

"ڈی این اے سیمپل تھے ہڈیوں کے جو کہ دفنا دیے تھے۔" اس کی آنکھوں میں سوال تھا سیم یہ سب کیوں پوچھ رہا تھا؟

اس کی آنکھوں کا سوال سمجھتا وہ بولنا شروع ہو گیا تھا۔

"پتا ہے اس پلین کریش پر ایک لمبی رپورٹ بنانی ہے۔ یہ حادثہ واقع ٹیکنیکل اشوکی وجہ سے تھا لیکن۔۔" ایک لمحہ کا توقف۔

"لیکن؟" حدید نے سوالیہ آنسو اٹھائی۔

"لیکن اس فلائٹ کے تین سو چالیس پیسینجرز میں سوہائی کا نام شامل نہیں ہے۔" حدید کے لب ادھ کھلے رہ گئے۔ دل نے ایک بیٹ مس کی تو سانس لینے میں دشواری سی محسوس ہوئی تھی۔ شک بہت چھوٹا لفظ تھا حدید کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے۔

oooooooo

پورا ہال برقی قلموں سے سجا تھا۔ ہر طرف روشنیاں ہی دکھائی دیتی تھیں۔ بچوں کے ہنگاموں اور ڈیگز سے نکلنے سروں میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ دلہن دولہا اسٹیج پر کھڑے فوٹو گرافر کے اشاروں پر پوز دیتے مسکرا رہے تھے۔ اسٹیج کے دائیں طرف وی آئی پی ٹیبل کے ذرا آگے والی ٹیبل پر ریشم بیٹھی نظر آرہی ہے۔ اس کے ساتھ والی کرسی پر ابرش ہاتھ اوپر کے تصویریں لینے میں مصروف ہے۔ ریشم نے نظر اٹھا کر اسٹیج کی طرف دیکھا دلہن دولہا اب ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ فوٹو گرافر کا کیمرہ خوبصورت لمحات کو قید کرنے میں مصروف تھا۔ ریشم نے آنکھیں جھپکائیں نقاب کے ہالے میں اس کی آنکھیں نم معلوم ہو رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ لگا کر نقاب کو چھوا۔ نقاب کی اوپری سطح نم تھی۔ اس نے زور زور سے آنکھیں جھپکیں اسے رونا نہیں تھا۔ نقاب کے نیچے موجود اس نے اپنے ہونٹوں کو زبردستی مسکراہٹ میں ڈھالا۔ دلہن اب سولو پکچرز کے لئے اسٹیج سے ذرا نیچے

اتر رہی تھی۔ ریشمہ کی آنکھیں پتھر اگئیں۔ آس پاس کی آوازیں مدھم مدھم ہو گئیں برقی قسمیوں کی خوبصورت پھولوں میں بدلنے لگے۔ ایک سفید سی روشنی پورے بال میں پھیل گئی تھی جیسے کسی نے بہت ساری ٹارچ لائٹ کھول دی ہوں۔

ریشمہ نے زور سے آنکھیں میچ کے کھولیں۔ وہ ابھی تک اسی ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ اس نے نظر اٹھا کر اسٹیج پر دیکھا۔ دلہن کی جگہ ریشمہ مختیار نک سک سے تیار لائٹ لیوینڈر کلر کی میکسی میں گلے میں پہنے چوکر سے لٹکا کر سٹل درست کر رہی تھی۔

ہلکا گندمی رنگ میک اپ کے نام پر گالوں پر بلش اور ہونٹوں پر گلابی لپسٹک لگائے اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ میں موتیہ کے گجرے پہنے وہ مکمل تیار تھی۔ اس کے ساتھ کھڑی لڑکی کچھ کہہ رہی تھی جس پر وہ نزاکت سے مسکرائی۔

منظر بدلا اس نے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا دلہن نے مسکرا کر دلہے کا ہاتھ تھاما تھا اور وہ اسے اسٹیج پر چڑھنے کے لیے سہارا دے رہا تھا۔ نقاب کے حالے میں ایک آنسو اس کے گال پر بہہ گیا۔

"ہیلوینگ لیڈی۔" ابھی وہ اپنی سوچ میں ہی تھی کہ اس کے ساتھ والی کرسی کھسکا کر کوئی بیٹھا تھا۔ اس کے بال سٹریٹ تھے کمر پر پھیلے۔ سرخ لپسٹک ہونٹوں پر لگائے۔

"السلام علیکم!" ریشمہ نے آہستہ سے کہا۔

"کیسی ہو ریشمہ؟" یہ ریشمہ کی تایا کی بیٹی تھی صندل، انھیں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی کی جب بزنس مین سے شادی ہوئی تو ٹون ہی بدل گئی تھی اب وہ شادیوں میں بھی کم آتی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، الحمد للہ۔" دھیمے سے جواب دے کے ریشمہ نے آس پاس دیکھا رخسانہ کسی خاتون سے بات کر رہی تھیں۔

"یہ نقاب کب سے لیا ہاں؟" جاگتی ہوئی نظریں اسی پر مرکوز تھیں۔

"السلام علیکم صندل آپ کیسی ہیں آپ؟" اس سے پہلے رومانہ کوئی جواب دیتی ابرش موبائل سائڈ میں رکھتی سامنے بیٹھی شخصیت سے مخاطب تھی۔

"اوہ ابر کتنی بڑی ہو گئی ہو ماشاء اللہ سے۔" بناؤٹی مسکراہٹ۔

"کیا کروں کوئی اور چارہ نہیں تھا بڑے ہونے کے علاوہ یونو۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"زیان نہیں آیا؟" ریشمہ نے ساتھ بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا۔

"نہیں بھائی کو ایسی گیدر نگز کچھ خاص پسند نہیں ہیں جہاں مہمان دلہن سے زیادہ تیار ہو کر آجائیں۔" مسکراتے ہوئے کہتی۔ وہ سامنے والی کو انتہائی زہر لگی تھی۔ وہ بد تمیز نہیں تھی لیکن اسکے بقول "پیٹھ پیچھے یہ سوچنے سے اچھا ہے کہ یہ کیوں نہیں بولا بندہ سامنے بولدے۔"

"ہاں تو ریشمہ۔۔" وہ ایک دفعہ پھر اس سے مخاطب تھی۔

"صندل آپ۔۔۔"

"آپ کے بال لمبے کب ہوئے؟" ابرش دونوں ہاتھ پھنساتی آگے ہو کر بیٹھی تھی۔ ریشمہ نے اسے گھورا۔

"میں سمجھی نہیں۔۔" اس نے نا سمجھی سے آنکھیں چھوٹی کر کے پوچھا۔

"آپ کے بال پچھلی دفعہ غالباً بھی تین ماہ پہلے تو یہ چھوٹے تھے اب لمبے ہیں، کون سا تیل استعمال کر رہی ہیں؟" وہ اس کے بالوں پر چوٹ کر رہی تھی۔ جانتی تھی ایکسٹینشن ہے۔ وہ کھسیانہ سا مسکرائی پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"مجھے لگ رہا ہے مصطفیٰ! آواز دے رہا ہے۔ میں آتی ہوں ذرا۔" ان سے ایکسیوز کرتی وہ اٹھ گئی۔ اور اس کے اٹھتے ہی ابرش کا قہقہہ جاندار تھا۔ وہ تو رخسانہ نہیں تھیں ورنہ دو لگ چکے ہوتے اس کے۔

"ابر!!" ریشمہ نے اسے ڈانٹا۔

"کیا ابر ریشمہ آپ اپنے لیے کب بولیں گی؟ پچھلی بار کی طرح ہر بار زیان بھائی تو نہیں ہوں گے۔" اس کے میز پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتی آہستہ سے سمجھا رہی تھی۔ ریشمہ کو اس وقت وہ خود سے بڑی اور سمجھدار لگی تھی۔ نظریں جھکائے وہ ایسے ہی بیٹھی رہی اسے شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"اس سب میں آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی۔" اس کی شرمندگی بھانپتے ابرش نے آہستہ سے کہا۔ اسے برا لگا تھا ریشمہ کے لیے دل سے۔

"اور آپ کے لیے اللہ نے بہت بہتر سوچا ہو گا۔" ریشمہ اس کی بات پر ذرا سا مسکرائی تھی۔

رخسانہ بیگم انھیں کی طرف آرہی تھیں۔

oooooooooooo

کک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی پھر سوئچ پر ہاتھ مار کر پورا کمرہ روشن کر دیا۔

یہ ایک پرستاعش کمرہ تھا۔ نیلے رنگ سے سجا۔ فل سائز بیڈ وارڈروب ایک سائنڈ پرڈریسنگ جس پر رست واپز سبھی تھیں۔ دوسری طرف والی دیوار پر بہت سے فوٹو فریمز تھے جو ایک لائن کی صورت لگائے گئے تھے۔ مسکراتے ہوئے فیملی فوٹوز۔

عامرہ نے پورے کمرہ کا ایک نظر میں جائزہ لیا سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا پہلے ہوتا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی اور وہ ایک احساس جو اس کمرے میں رہنے والے مکین کا تھا وہ بھی بالکل ویسا ہی تھا۔ وہ آسودگی سے مسکرائی۔ اس کے ہاتھ میں چابی تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی وہ بیڈ کے آگے لگے چھوٹے سے صوفہ کے پاس رک گئی۔

اس کے پیچھے ہی ملازمہ کمرے میں داخل ہوئے تھی۔

"جلدی سے صفائی کرو اور کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلنی نہیں چاہئے۔" اس کی آواز کمرہ کے سناٹے میں گونجی وہ اس وقت بھی صبح والے کپڑوں میں تھی فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے تاثرات سپاٹ تھے۔ ملازمہ جلدی سے اپنے کام میں جت گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

جبکہ اس کی آنکھیں بیڈ کے پیچھے لگی فوٹو گراف پر تھیں۔ جس میں ارحم شیرازی آنکھوں پر سن گلاسز لگائے کھڑا تھا۔ اس کے لبوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔ کیا اسے پتا تھا وہ اتنی جلدی چلا جائے گا؟

"آہ!!" اس کے تاثرات ابھی بھی ویسے ہی تھے اور وہ ٹکٹکی باندھے اس تصویر کو دیکھ رہی تھی البتہ آنکھوں کے گوشے نم معلوم ہو رہے تھے۔

ملازمہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ وہ چلتی ہوئی اب کہ فوٹو فریمز والی دیوار کے پاس رک گئی۔ بہت سی تصویریں سچی تھیں ہاتھ بڑھا کر اس نے ایک تصویر کو چھوا۔

اس پر جمی ہلکی سی گرد اس کی انگلیوں کی پوروں پر آگئی۔

اوپر سے دیکھتی وہ سب سے آخری فوٹو فریم پر رک گئی۔ اس فوٹو میں ار حم شیرازی ایکسٹریٹ کیپ پہنے کھڑا تھا جبکہ اس کی ڈگری عامرہ کے ہاتھ میں تھی۔ جو کہ تھبڑاپ کا نشان بنا رہی تھی۔ وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ ملازمہ نے ڈرینگ صاف کرتے اسے پلٹ کر دیکھا تھا۔ عامرہ کو یاد تھا یہ تصویر ار مغان نے لی تھی۔

"جاؤ۔" دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے ہی اس نے ملازمہ کو حکم صادر کیا۔

"لیکن چھوٹی بی بی۔۔۔" ملازمہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ ابھی صفائی نہیں ہوئی ہے۔

"میں نے کہا نا جاؤ۔" اپنی بات پر زور دیتی اس کا رخ ابھی بھی اسی طرف تھا۔

ملازمہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ار حم تم مجھے یاد آتے ہو۔"

سامنے لگی تصویر کو دیکھتی وہ با آواز بلند بول رہی تھی۔ جیسے وہ سن رہا ہو۔

اور اس ایک جملہ سے ذہن کے پردے پر کئی یادیں لہرائی تھیں۔ طایک ایک منظر سیاہ سفید ہو کر ذہن کی سکریں پر ابھر رہا تھا تو باری باری سب میں رنگ بھر رہے تھے۔

وہ کشن دروازے سے ٹکرا کر زمین بوس ہوا تھا۔

اس نے بے دردی سے کینولا ہٹایا۔ درد کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔

سوہائی نے آس پاس کچھ تلاش کرنا چاہا۔

کیا یہاں کوئی موبائل فون نہیں تھا؟ اس کی نظریں پورے کمرے میں گھوم رہی تھیں۔ اسے یہاں نہیں رہنا تھا۔ وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ وہ کیوں رہے یہاں؟ سنہری آنکھوں میں بے بسی تھی۔

اسی پل دروازہ کھلا تھا۔ اس نے جھٹ سے دائیاں ہاتھ پہلو میں چھپایا تھا۔

وہ ہی عینک والی لڑکی اندر داخل ہوئی تھی۔ ساتھ میں کوئی ملازمہ ٹرائی گھسیٹ کر اندر لا رہی تھی۔

"بس یہیں۔" ملازمہ نے اس کے بیڈ کے ساتھ ٹرائی روک دی پھر خود چیزیں نکالنے لگی۔

"آپ رہنے دیں میں خود کر لوں گی۔" انھیں حکم دیتی وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ ملازمہ سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

ملازمہ باہر نکل گئی تو عامرہ نے سامنے بیٹھی سوہائی کو دیکھا۔ وہ واقعی بیمار لگ رہی تھی۔

"سوہاتم یہاں آرام سے رہ سکتی ہو۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے۔" عامرہ سادہ لہجہ۔ سوہائی اسے سن رہی تھی لیکن نظریں پورے کمرے میں بھٹکی تھیں۔ کچھ تو ہوگا؟

وہ کچھ دیر جواب کی منتظر رہی لیکن اس سنہری آنکھوں والی لڑکی کی زبان پر گویا قفل سالگ گیا تھا۔

"اچھا یہ دیکھو سوپ بنوایا ہے تمہارے لیے۔" وہ خود ہی مسکراتے ہوئے ٹرائی کی طرف بڑھی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔" ناگواری سے ایک نظر اسے دیکھا جو اس کے لیے پیالی میں سوپ نکال رہی تھی۔
عامرہ کے ہاتھ تھمے تھے۔ سیاہ آنکھوں میں افسوس در آیا تھا۔

"دیکھو یہ تو تمہاری صحت کے لیے ہے نا اور بھائی نے کہا ہے کہ۔۔۔۔"

"میں تمہارے بھائی کی غلام نہیں ہوں۔ اپنی مرضی سے زبردستی اس گھر میں قیدی بنا لیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے جو چاہیں گے وہ ہی ہو گا۔" اس کی آواز میں طیش تھا سنہری آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔
عامرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"سوہا۔۔"

"سوہائی!!" اس نے تصحیح کی تھی سنہری آنکھوں میں سرخی کی لکیر چمک رہی تھی۔
"تم ہمیں اپنا دشمن کیوں سمجھ رہی ہو؟" اس نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے تھے۔

"کیونکہ تمہارے بھائی زبردستی لائے ہیں مجھے، پر اپرٹی پیپر ز پر سائن کروانے تھے نا مجھے بتا دیتے ہیں
کر دیتی۔" آنسوؤں کی موٹی لڑی اس کی آنکھوں سے جاری ہو گئی تھی۔ عامرہ نے اس کا سر کندھے سے لگایا
تھا۔

oooooooo

صبح باسی ہوئی تو رات کے اندھیرے نے شیرازی ولاء کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔
کھڑکی کے پاس کھڑی سوہائی کی آنکھیں سامنے دکھتے گارڈن پر تھیں۔

گاڑی کے ہارن پر ڈیوٹی دیتے گا رڈز نے دروازہ کھولا تو کالے رنگ کی مرسدیز زن سے اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ ویسی ہی دیکھتی رہی بنا پلک جھپکے۔

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو سیاہ بوٹ پتھریلی روش پر واضح ہوئے۔ کوٹ کا بٹن بند کرتا ار مغان دوپہر والے ڈارک بلو تھری پیس میں بالکل ہشاش بشاش سا نکلا تھا۔ اس نے اسے نہیں دیکھا تھا لیکن سوہائی کی سنہری آنکھیں اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

کندھے سیدھے رکھے وہ قدم اٹھاتا اندر آ رہا تھا۔

سوہائی نے ہاتھ بڑھا کر پردہ ڈال دیا پھر بیڈ تک آئی۔ سنہرے بال فرنیچ پونی ٹیل میں بندھے تھے۔ جبکہ صبح کی بنسبت چہرہ کافی بہتر تھا لیکن آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان دودھیارنگ پر صاف واضح تھے۔

اس نے دائیں ہاتھ کی کلائی دیکھی جس جگہ کیسٹولا لگا تھا اب اس جگہ بینڈج تھی جو کہ ملازمہ نے کی تھی۔ گلابی رنگ کی شارٹ کرتی پہنے اس نے بیڈ سے اٹھا کر دوپٹہ مفکر کی طرح گردن میں لپیٹا پھر آہستہ آہستہ چلتی دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ کمرہ فرسٹ فلور پر تھا لیکن یہ اس کا کمرہ نہیں تھا۔ اسی گھر میں اس کا کمرہ بھی تھا جہاں وہ رہتی تھی۔ دائیں طرف ار مغان کا کمرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا۔

چلتے ہوئے ریلنگ کے پاس رکی تو نیچے ڈائننگ ہال دکھ رہا تھا لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ کہاں گیا؟ اوپر نہیں آیا تو؟

سوہانے ذراتر چھا ہو کر دیکھنا چاہا تو ڈانگ ہال کے ساتھ بنا وہ گلاس ڈور والا سنگ ایریہ نظروں کے سامنے آیا۔ ار مغان شیرازی صوفہ پر بیٹھا تھا جبکہ اس کے سامنے ہی ایک وکیل اور آصف شیرازی بر اجمان تھے۔ اس کی سیاہ آنکھیں کچھ دیر پہلے سے بالکل مختلف تھیں۔ سیدھا بیٹھا وہ وکیل کی بات دھیان سے سن رہا تھا جبکہ چہرے پر بیزاریت واضح تھی۔ آواز سننا مشکل تھا۔

سوہائی نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ پورا منظر دیکھا۔

اب ار مغان کسی بات پر بحث کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر وکیل صاحب کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

وہ ایسا ہی تو تھا زبردستی کرنے والا، وہ اسے بھی تولے آیا تھا۔ سوہانے منہ بناتے سوچا اس کا دل ان سب سے اکتا گیا تھا۔ یہ اس کے اپنے جواب اس کے نہیں تھے۔ وہ ویسی ہی کھڑی رہی۔ اب وکیل صاحب اپنی فائلز اٹھاتے جارہے تھے۔ پہلے وکیل صاحب نکلے مین ڈور آواز کے ساتھ بند ہوا۔ وہ اوپر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ار مغان باہر نہیں نکلا تھا مطلب وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔

وہ قدم قدم چلتی کالے ماربل کے زینہ اترنے لگی۔ چال سست تھی تھکی ہوئی۔ شیرازی ولاء بالکل ویسا ہی تھا جیسے کہ ابھی لیکن فرنیچر ذرا مختلف تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتے گلاس ڈور کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ چہرہ اپنا تاثر تھا۔

آصف شیرازی سنگل سیٹر صوفہ پر بیٹھے تھے، آج کی نسبت بالکل تندرست تھری پیس سوٹ پہنے۔ جبکہ ان کے بالکل سامنے ار مغان سر ہاتھوں میں دیے بیٹھا تھا۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اکتاہٹ اور جھنجھلاہٹ واضح تھی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا یہ سب کرنے کو۔۔" آصف صاحب اس سے مخاطب تھے۔ آواز میں روعب سا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا جن کی آنکھیں اسی پر مرکوز تھیں۔
 "بابا!!!" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"ارمان! میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ ان سب کاموں میں رسک ہے۔" اس نے پھر سے سر جھکا دیا تھا۔
 سوہائی کو یہ شخص اس شخص سے مختلف لگا تھا جو صبح اس سے ملا تھا اور جو ابھی ذرا دیر پہلے گھر میں داخل ہوا تھا۔

"مجھے فکر ہے تمہاری، میں نہیں چاہتا جو فیلڈ تم نے چنی ہے اس کے علاوہ بھی تمہارے دشمن ہوں۔" آصف شیرازی کہہ رہے تھے اور وہ سر جھکائے انھیں سن رہا تھا۔
 سوہانے عامرہ کو دیکھا وہ اسی طرح ابھی بھی فون کان سے لگائے ہوئی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE
 "بابا! چاچو کے ساتھ جو ہو اوہ غلط تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی ہمارے کسی فرد کے ذریعے ہمیں بلیک میل کرے۔" اب کہ اس نے سر اٹھایا تو آواز قدرے بہتر تھی۔

"سوہائی کو لانے کا مقصد؟" اس نے گہری سانس لی تھی۔

"وہ ہمارا فرد ہے۔ میں نہیں چاہتا وہ غیر محفوظ رہے۔" وہ پر اعتماد تھا پہلے والا ارمان واپس آ گیا تھا۔
 باہر کھڑی سوہائی نے سر جھٹکا۔ "اس کی حفاظت کی کوئی اور معقول وجہ نہیں ملی؟" اس کا دل تلخ تھا۔

"یہ کونسا ٹھیک طریقہ ہے اسے لانے کا؟" انھوں نے آنجھوں میں سختی لیے اسے دیکھا جو کھڑا ہو رہا تھا۔

"ٹھیک کا تو نہیں پتا لیکن بابا میرے نزدیک یہ بہترین ضرور تھا۔" وہ ہی والا ار مغان جوٹی وہ سکرین پر ہوتا ہے۔ وہ ہی آواز اور وہ ہی انداز۔ سوہائی نے اس کی بات سن کر بائیں طرف لابی میں قدم بڑھائے۔

"وہ بد ظن ہے تم سے اور وہ لوگ، وہ اسے مرا ہوا سمجھ رہے ہیں۔ تمہیں پتا چلا تھا نا؟" انھوں نے سامنے کھڑے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ یہ طے تھا وہ انھیں کا عکس تھا۔

"جہاں تک بات رہی سوہائی کی وہ ایڈ جسٹ ہو جائے گی اور جن لوگوں کا آپ ذکر کر رہے ہیں، اچھا ہے ان سمیت باقی دنیا کے لیے وہ زندہ نہ رہے۔" چہرے کا تناؤ واپس آ گیا تھا۔ اب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ آصف شیرازی اسے دیکھ کر رہ گئے۔

"کھانے پر ملتے ہیں بابا!" گلاس ڈور سلائیڈ کرتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ ابھی وہ آگے بڑھتا اس سے پہلے اسے بائیں طرف کسی کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ سیاہ آنکھوں نے بائیں طرف دیکھا تھا۔ تاثرات میں نرمی آئی تھی۔ "وہ تم سے بد ظن ہے۔" یہ ایک جملہ اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔

سوہائی نے کمرہ کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ لاک تھا۔ یہ اس کا کمرہ تھا۔ جو کہ اس وقت بند تھا۔

"لاک ہے کل کھلوادوں گا۔" کرخت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے کرنٹ کھا کر دیکھا تھا۔ وہ اس سے ذرا فاصلہ پر گلاس ڈور کے پاس کھڑا تھا۔ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ سوہانے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ ہینڈل سے ہٹا کر پہلو میں آ گیا۔

ار مغان نے اسے دیکھا۔ دائیں ہاتھ پر پٹی بندھی تھی۔

"کھانا لگ رہا ہے ٹیبل پر آ جاؤ۔" مسکرا کے کہتا وہ آگے نکل گیا۔ سوہا وہیں رہی۔ اس کے جوتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جبکہ ملازمہ ڈائننگ ہال کی میز پر انواع و اقسام کے کھانے لگانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

oooooooo

سورج طلوع ہوا تو سائے لمبے ہو گئے۔ رات کی تلخی میں کچھ کمی آئی تھی لیکن رات گئی بات گئی والا حساب نہیں تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر مرکزی کرسی پر آصف شیرازی بالکل تیار تھری پیس میں بیٹھے تھے جبکہ ان کے دائیں طرف ارمغان ان کے برعکس سادہ گول گلے کی سفید ٹی شرٹ پہنے آرامدہ ہلیہ میں تھا۔ سیاہ بال اس وقت بے ترتیب تھے۔ اس کے بالکل سامنے عامرہ بیٹھی پلیٹ میں چچ ہلا رہی تھی۔

"ارحم کی آپ سے بات ہوئی؟ کب تک آرہا ہے؟" کانٹے سے آملیٹ توڑتے ارمغان نے سرسری سا پوچھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اسی ہفتہ کا ارادہ ہے کہہ رہا تھا سب کچھ واسنڈب کر کے آرہا ہے۔" ناشتہ سے ہاتھ روکے وہ جواب دے رہا تھا۔

"اچھی بات ہے پاکستان آئے۔ آپ کے ساتھ بزنس سنبھلے، ہمیں اس کی ضرورت بھی ہے۔" سیاہ آنکھیں پر سوچ تھیں۔

"تم جانتے ہو وہ کیا چاہتا ہے۔" آصف شیرازی نے اسے یاد دلایا تھا۔

"اس کے بارے میں اس کے ساتھ بات کریں گے بابا۔ ٹیبل ٹالک۔" سیاہ آنکھیں اٹھا کر انھیں دیکھتا وہ پھر سے ناشتہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

عامرہ نے باپ کو دیکھا پھر سامنے بیٹھے بھائی کو وہ خاموش تماشائی تھی۔ خاموشی غالب آگئی تھی البتہ گھڑی کا پینڈولم ہلتے ہوئے اس خاموشی کو توڑ رہا تھا۔

عامرہ کے برابر والی کرسی کھسکی تھی، ایک ارتکاش سا پیدا ہوا تھا۔

ارمغان نے آنکھیں اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔

دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ اس کے سنہری بال کھلے تھے۔ جبکہ دوپٹہ ہمیشہ کی طرح موڑ کر گلے میں ڈالا ہوا تھا۔

"السلام علیکم!!" اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا لیکن آواز دھیمی تھی۔ سنہری آنکھوں نے تینوں فرد کا جائزہ لیا تھا۔

"والسلام السلام!!" آصف شیرازی نے ہلکی آواز میں جواب دیا جب کہ ارمغان نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"کیا لوگی سوہائی؟" عامرہ مسکرا کے اس سے پوچھ رہی تھی۔ سوہانے مسکرا کے اس کو دیکھا۔

"بریڈ۔" اس کے کوئی جواب نہ دینے پر عامرہ نے خود ہی اس کی پلیٹ میں چیزیں ڈالنا شروع کی تھیں۔

"مجھے خوشی ہے بیٹا کہ تم نارمل ہو رہی ہو۔" آصف شیرازی نے ناشتہ سے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا۔

"یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ امید ہے تم جلد ایڈ جسٹ ہو جاؤ گی۔" ان کی آواز میں نرمی تھی۔ جیسے وہ واقعی اس کے لیے فکر مند ہوں۔

سوہانے محظ سراثبات میں ہلایا تھا۔ عامرہ مسکرائی تھی جبکہ سیاہ آنکھیں کھوچتی ہوئیں سامنے بیٹھی لڑکی کا اسکین کر رہی تھیں۔

کیا وہ ٹھیک ہو گئی تھی؟

اتنی جلدی؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

سوہانے بریڈ اٹھا کر ہلکا سا کنارہ توڑا۔ سنہری آنکھیں سامنے اٹھی تھیں۔ چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے ار مغان کی آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔ بغیر کوئی تاثر دیے وہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔

"او کے پھر شام میں ملتے ہیں۔" آصف شیرازی کرسی کہسکاتے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکان تھی۔

"بابا مجھے آئمہ کے گھر ڈراپ کر دیں۔" عامرہ ان کے ساتھ اٹھی تھی۔ آصف شیرازی سر ہلاتے باہر نکل گئے جبکہ عامرہ ان کے ساتھ سے نکلتی کمرہ کی طرف بڑھی تھی۔

سوہانے سامنے بیٹھے ار مغان کو دیکھا چائے کے کپ کی جگہ موبائل نے لے لی تھی جبکہ اب سیاہ آنکھیں پورے انہماک سے موبائل سکرین کی طرف متوجہ تھیں۔ اس نے بریڈ کا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھا۔

"بے فکر رہیں میں نے کہیں نہیں جانا۔" اس نے زور سے کہا تھا تاکہ اس کے کانوں تک آواز پہنچے البتہ اس کی آواز بالکل سادہ اور پر اعتماد تھی۔

موبائل سے سر اٹھائے ار مغان نے سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا۔ پھر فرست سے موبائل سائنڈ پر رکھتے دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھے تھے۔

"پتا ہے جب ہم میڈیا پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہمیں سامنے والے کا دماغ بھی پڑھنا سکتا ہے ہیں۔۔۔" سنہری آنکھوں میں کچھ اٹکا تھا۔ جب کہ وہ اسی طرح آرام سے بیٹھے اسے اطلاع دے رہا تھا۔ "جب ہم کوئی سوال کریں تو اکثر اس سوال کا جواب ہمیں پتا ہوتا ہے۔" ایک لمحہ کے لیے ٹھہرا تھا۔ دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر تھوڑی اس پر ٹکائی تھی۔ وہ شاید بالکل فارغ تھا اس لیے اتنی فرصت سے بیٹھا اس سے مکالمہ کر رہا تھا۔ ایسا سوہانے سوچا تھا البتہ سنہری آنکھیں بنانا اثر تھیں۔

"اور یہ بھی کہ حالات اور سر کسٹنس Circumstances

کو دیکھتے ہوئے سامنے والے کی اگلی موو کیا ہوگی۔" چہرہ اسی طرح رکھے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سوہانے ایک سر دسانس ہوا کے سپرد کی تھی۔ ہاتھ میز کے کنارے پر جم سا گیا تھا۔ "ڈونٹ وری تم کہہ رہی ہو تو تمہاری بات پر آنکھ بند کر کے یقین ہے۔" سیاہ آنکھیں لمحہ کو بند ہو کر کھلی تھیں۔

"لیکن کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا جس سے تمہارا نقصان ہو۔" سامنے بیٹھا وہ شخص جیسے پل میں اس کے منصوبے سمجھ رہا تھا۔ کیا وہ جان گیا تھا کہ وہ کیا کرے گی؟

پھر وہ کھڑا ہو گیا سوہا وہیں رہ گئی۔

"تمہارے کمرے کا دروازہ کھلوادیا ہے۔" زینہ چڑھنے سے پہلے وہ پلٹا تھا نظریں اس کے سر کی پشت پر جمی تھیں۔ وہ ابھی بھی ویسے ہی بیٹھی تھی۔

"ایک بار پھر دوہرا ہا ہوں ڈونٹ ڈوسنی تھنگ ڈیٹ ہرٹ یو۔ بچے!!" اس کی آواز آخر میں نرم ہوئی تھی اور پھر وہ چلا گیا۔ سوہانے آس پاس دیکھا ملازم کام کرنے میں مگن تھے۔ جبکہ اس کا دل ویران ہو گیا تھا۔ زندگی مشکل۔

کیا وہ یہاں سے جا پائے گی؟

یا اللہ یہ کیسی جگہ قید ہو گئی تھی۔

آنسوؤں نکلنے کو بے تاب تھے لیکن اسے رونا نہیں تھا۔

Safar-e-Adab

oooooooooooo

سنائیا یہ وہ پہلی شے تھی جو اس وقت شیرازی ولاء میں پھیلی تھی۔ اور اس کے بعد بے رونقی کہنا درست تھا۔
BEING THE STRING OF YOUR KITE
گھڑی کی چھوٹی سوئی جیسے ہی پانچ کے ہندسے پر پہنچی تو گھڑی کا ہلتا پینڈولم زور سے ہلاتا تھا۔ سنائے میں چنگھاڑتی ہوئی آواز کی طرح۔

"تمہیں نہیں لگتا یہ پھول کافی زیادہ کھل گئے ہیں اتنے کہ اب ان کو چھوؤ تو خوشبو سے زیادہ کانٹے چبھتے ہیں۔" سر جھکائے وہ شخص گملے میں کھا دبدل رہا تھا۔ پاؤں کو چھوتی سفید رنگ کی فراک پہنے سوہا گردن جھکائے اس کی کاروائی ملاحظہ فرما رہی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ایک گملار کھاتا تھا جس میں پھول کھلے دکھ رہے تھے۔ گلاب، چنبیلی اور بھی بہت سی قسم کے۔

"تمہیں کونسا پھول پسند ہے؟" کام سے ہاتھ روک کر وہ اس سے سوال کر رہا تھا۔ لبوں پر ایک مسکراہٹ رقصاں تھی۔ جس پر گال کا گڑھا واضح ہو رہا تھا۔ کیا اس سے خوبصورت کوئی مسکرا سکتا تھا؟ دل نے نفی کی تھی اور سنہری آنکھیں ویسے ہی ساکن رہی تھیں۔

"کیا ہوا کہاں کھو گئیں؟" وہ ایک بار پھر گملے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"مجھے موتی بہت پسند ہے۔ آپ نے کبھی دیکھا ہے؟ وہ کھلا ہوا کتنا خوبصورت لگتا ہے۔" سنہری لٹ کو کان کے پیچھے اڑا رہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت بالکونی میں کھڑے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ ہلکی ہوا اس کے سنہری بال اڑا رہی تھی۔

"بالکل میں نے دیکھا ہے خوبصورت ہوتا ہے واقعی!! ایکدم۔" اس کے ہاتھ میں پکڑی بیلچہ نما کھری تھی تھی۔

"ایکدم؟" سوہانے سوالیہ نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا۔

وہ پلٹا تھا اس کی طرف پھر ویسے ہی نیچے لکڑی کے فرش پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں میں ٹکائے۔ ماتھے پر مٹی سی لگی تھی۔ سنہری آنکھیں اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ایکدم تمہاری اس فراک کی طرح سفید۔" اس نے جملہ مکمل کیا تھا۔ سوہا کھکھلا کر ہنسی تھی۔ بال ہوا کے جوش پر بکھرے تھے۔ فراک کا فال بھی ہلا تھا۔ پھولوں کے درمیان ایک بہترین منظر، ایک مکمل منظر۔ کیا اس سے خوبصورت کوئی منظر ہو سکتا تھا؟ دل نے نفی کی تھی۔ سیاہ آنکھیں کہیں کھو گئی تھیں۔ ڈھلتے سورج کی روشنی نے اس کی آنکھیں چندھیادی تھیں۔ جبکہ پھولوں پر ٹکے ہاتھ میں چبھن سی ہوئی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر ہاتھ پیچھے کیا تھا۔ وہ کہاں تھی؟ چند سیکنڈ لگے تھے حواس بہال ہونے میں۔ گارڈز نے مین

ڈور کھولا تو کار پتھر لی روش پر چلتی ہوئی رکی تھی پھر اس میں سے عامرہ اتری مسکراتی ہوئی۔ اس کو ہاتھ ہلاتی وہ اسی کی طرف آرہی تھی۔

سوہانے پھول پر رکھے ہاتھ کو دیکھا۔ شہادت کی انگلی کے پاس خراش سی آگئی تھی۔ جس میں سے ایک لکیر کی طرح بالکل معمولی سا خون رس رہا تھا۔ پھر وہ چلتی ہوئی گارڈن کے بیچ میں رکھی گئی میز کی طرف آگئی۔ اس نے رات والے کپڑے ہی پہنے تھے۔ سنہری بال کھلے ہوئے تھے جبکہ عامرہ بالکل تیار وائٹ ٹاپ پہنے بالوں کو پونی ٹیل میں ڈھالا گیا تھا۔ ہونٹوں پر گلابی لپسٹک تھی اور گالوں کو ٹنٹ کی مدد سے گلابی کیا گیا تھا۔ وہ اس کے قریب آرہی تھی۔

"تم یہاں بیٹھی ہو؟" مسکرا کر کہتی وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل ٹیبل پر رکھا تھا۔

سوہانے اسے دیکھا۔ پھر نظریں کیاری میں لگے پھولوں پر کرلیں۔ ملازمہ ہاتھ میں ٹرے اٹھائے ان کی طرف ہی آرہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے ٹیبل پر ٹرے رکھی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ رکھے تھے۔

پھر وہ اندر کی طرف چلی گئی۔

"تمہیں پتا ہے سوہائی میری کتاب بیلش ہو رہی ہے۔" وہ خوش تھی اور یہ اس کی آواز سے پتا چل رہا تھا۔

"مبارک ہو۔" اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

”یہ خالی مبارک باد سے کچھ نہیں ہونا تم میرے ساتھ شاپنگ پر چلو گی۔“ عامرہ نے ایک چائے کا گلاس اپنے سامنے رکھا جبکہ دوسرا اس کی طرف بڑھایا تھا۔

”شکریہ!“ اس نے عامرہ کے ہاتھ سے کپ لیا۔

”ایک بات بتاؤ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ چاچو اور آنٹی کی دیتھ میں بھائی یا بابا کا ہاتھ تھا؟“ چائے کا گھونٹ بھرتے اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

”میں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔“ کپ اس کے ہاتھ میں ویسے کی تھا البتہ اس نے بسکٹ اٹھا کر اس کا کنارہ توڑا تھا۔

”دیکھو میں جانتی ہوں تم ذہنی طور پر کس کنڈیشن سے گزری ہو۔۔۔“

”کوئی نہیں جانتا۔۔۔“ سنہری آنکھیں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

وہ اس کی بات اچک چکی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”کوئی نہیں جانتا وہ تکلیف جب تم اسکول سے گھر آؤ اور اپنے ماں باپ کو مردہ حالت میں پاؤ۔۔۔“ اس کی آواز کانپی تھی۔ اس میں درد تھا تکلیف تھی۔

عامرہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

”ہم آپ کا درد سمجھ سکتے ہیں۔“ یہ جملہ کہنے میں جتنا آسان ہوتا ہے اگر سامنے والے کی جگہ کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو لوگ یہ ایک جملہ کہنا چھوڑ دیں۔

سنہری آنکھوں میں نمی تھی لیکن وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔

"آئی ایم سوری!" عامرہ کو اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"اٹس اوکے عامرہ کوئی بات نہیں میں ٹھیک ہوں۔" ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ جو بھی تھا عامرہ کی غلطی نہیں تھی۔ اسے یاد تھا بچپن میں وہ لوگ ساتھ اسکول جاتے تھے۔ ساتھ رہتے تھے۔ سوہا اس سے چھ ماہ بڑی تھی لیکن عامرہ اس سے بہت چھوٹی لگتی تھی۔

عامرہ نے اسے دیکھا جو مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو سوہا۔" اس نے دھیماسا کہا تھا۔

"اور اگر یہ بات میں تم سے نہ کہوں تو؟" عامرہ ہنسی تھی۔ سوہانے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا تھا۔

"لیکن پھر بھی کاش اس وقت ہم تمہارے ساتھ ہوتے۔۔۔"

"لیو اٹ عامرہ!" وہ دھیماسا مسکرائی تھی۔

"تمہیں پتا ہے ارحم آرہا ہے۔" وہ ایسی ہی تھی ہر بات تمہیں پتا ہے سے شروع کرنے والی، سوہانے سوچا تھا۔

"تمہیں یاد ہے نارحم؟" کسی خدشہ کے تحت پوچھا تھا۔

"یاد ہے۔"

"اچھا تم بیٹھو میں ذرا چینج کر لوں۔" عامرہ اس کے پاس سے اٹھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا تھا۔ سوہا کی نظر اس کے ہاتھوں پر ہی تھی۔ اس نے چند بریسلٹ پہنے ہوئے تھے۔

اب وہ گھر کے اندر بڑھ رہی تھی۔ "وہ اسے یہ نہیں کہہ سکی چچیتھی کہ وہ تو کب کا ان سب کو بھول گئی تھی۔" سنہری آنکھیں اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر تھیں۔

پھر سورج غروب ہونے کو پہنچا تو اس پھولوں والے گارڈن میں بھی رات اتر گئی۔ اسٹریٹ لیمپ نمابلے روشن ہو گئے اور باتیں کہیں ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔

oooooooooooo

"داؤد صاحب آپ بتائیں آپ کو کیا لگتا ہے؟ کیا بنے گا اس پیشی سے؟" ارمان شیرازی اس وقت ریو الونگ چیئر پر بیٹھا سامنے بیٹھی شخصیت سے مخاطب تھا۔ اس نے اس وقت سفید ڈریس شرٹ پہنی تھی جس کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں۔ سیاہ بال جیل سے سیٹ تھے جبکہ اس کی آنکھیں اس وقت بالکل سنجیدہ معلوم ہو رہی تھیں۔

"دیکھیے ارمان کیس کا نتیجہ اسی پیشی میں بھی سنایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک اور پیشی ہو۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔ بالوں میں سفیدی تھی، جبکہ آنکھیں بھوری۔

"میں چاہتا ہوں یہ کیس جلد ختم ہو، ارحم آرہا ہے اور آپ جانتے ہیں سیاست بہت گندی چیز ہے۔ میں اس کی جان کا رسک نہیں لے سکتا۔" سر کو خم دیتے وہ جیسے کسی نتیجہ پر پہنچا تھا۔

"ایک بات تو طے ہے کہ اس کیس سے بہت ساری بڑی مچھلیاں جڑی ہیں۔ آپ سمیت ہمارے ساتھ جڑے ہر شخص کو خطرہ ہے۔" وہ ویسے ہی بول رہے تھے۔ یہ ارمان کا آفس تھا۔ بھورے رنگ سے سجا آفس۔

"جانتا ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے یہ سب ہو جائے۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" وہ پر اعتماد تھے۔ سفید شرٹ کے ساتھ سیاہ کوٹ پہنے سیاہ ٹائی ان کے گلے میں جھول رہی تھی۔

"آپ کا بہت شکریہ! میں بہت مشکور ہوں کہ آپ اس کیس سے جڑے رہے۔۔۔" یہ کوئی اور ار مغان تھا۔

"اپنی فیملی سے دور، میں جتنا شکریہ ادا کروں اتنا کم ہے۔" اس کی آواز سے لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی دل سے سب کہہ رہا ہو۔

"ار مغان، ہارون میرا دوست تھا یا یوں کہوں کہ میرے بھائیوں جیسا تھا۔ جتنا ظلم اس کے ساتھ ہوا ہے شاید ہی کسی کے ساتھ ہوا ہو۔" ان کی عمر لگ بھگ ساٹھ کے ہند سے کوچھوتی ہوئی تھی۔ اور اس کا ثبوت ان کی ٹھہری ہوئی آواز دیتی تھی۔ ار مغان انھیں غور سے سن رہا تھا۔ چیئر آگے کیے۔ اس کا کوٹ ساتھ رکھے اسٹینڈ پر لٹکا تھا۔

"اس کا قصور کچھ نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس نے سچ کو بے نقاب کرنا شروع کر دیا تھا۔ بھوری، اونچی کرسی پر بیٹھے لوگوں کے سیاہ کرتوت سامنے آرہے تھے۔" ان کی آواز میں افسوس در آیا تھا۔ ہوا میں تناؤ سا تھا۔

"میں نے جو کیا وہ میرا فرض تھا اور میرے دوست کا مجھ پر قرض۔" وہ مسکرائے تھے ار مغان مسکرا نہیں سکا تھا۔

"پیشی سے پہلے سوہائی بیٹی کو ملنے آؤں گا۔" وہ سامنے رکھی فائلز سمیٹ رہے تھے۔ ار مغان ان کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

"اب مسکرا دو میاں تم نے میری تنخواہ بھی دی ہے۔" بھوری آنکھیں اٹھا کر ارمغان کو دیکھا۔ سیاہ آنکھوں میں چمک آئی تھی اور پھر وہ ہنسا تھا دل کھول کے۔

"انکل آپ۔۔" موبائل فون کی آواز نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی تھی۔

انہوں نے فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔ فون سنتے ہوئے ان کے لبوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔ ارمغان بھی ایک فائل کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا انشاء اللہ!" مسکراتے ہوئے انہوں نے فون کان سے ہٹایا تھا۔ ارمغان نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"بیٹے کا فون تھا دو سال رہ گئے ہیں لاء ڈگری میں پھر آپ کے معاملات وہ دیکھا کرے گا۔" ان کی آواز اور آنکھوں کی چمک اس بات کے لیے کافی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے کتنے خوش تھے۔

"اللہ کامیاب کرے اسے لیکن میرے معاملات آپ نے ہی سنبھالنے ہیں۔" وہ آخر میں مسکرایا تھا۔

"جیسا آپ کہیں برخوردار لیکن زیان علی خان داؤد علی خان کی پرچھائی ہو گا۔" ان کی آواز میں فخر تھا۔ ارمغان مسکرایا تھا۔ اس کے بابا بھی ایسے ہی خوش تھے البتہ انھیں اس کا ڈر بھی لگا رہتا تھا۔

پھر وہ اٹھ گئے ارمغان ویسے ہی فائلز کھولے بیٹھا رہا۔

oooooooooooo

شیرازی ولاء اسی طرح کھڑا تھا۔ کراچی کی بڑھتی گرمی اور جس کے موسم میں بارش کے چند قطرے غنیمت معلوم ہو رہے تھے۔ بادلوں نے نیلے آسمان کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اس پہلی منزل پر

بنے کمرے کی گلاس وال پر ننھے ننھے قطرے گر رہے تھے۔ ہر ابھر اگاڑن ایک بار پھر پوری رونق سے چمک رہا تھا جبکہ پھول کھکھلاتے ہوئے اپنا رخ آسمان کی طرف کیے ہوئے تھے۔

باہر کی نسبت اندر کا ماحول باہر سے خاصا مختلف تھا۔ پورے شیرازی ولاء میں ایک حرارت کا سا احساس پھیلا تھا۔ شاید اس کی وجہ آپسی اختلاف اور رنجشیں تھیں۔

سوہانے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ ٹھنڈا تھا۔ اسے ٹھنڈک کا۔ احساس ہوا اس وقت اس نے فریج باندھ کر دائیں کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔

شارٹ کرتی پر جامنی رنگ کا سویٹر پہنا تھا۔ جبکہ سنہری آنکھیں پیلے کی طرح ویران لگ رہی تھیں۔

اس نے ہینڈل پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھل گیا۔ لابی میں جلتے بلب کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑی تو سوہا کا سایہ اس پر پڑ رہا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔
 چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ کمرے میں داخل ہوئی ساتھ بائیں طرف سوئچ پر ہاتھ مار کر بٹن کھولے تو کمرہ روشن ہو گیا۔
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے آج بھی اپنے کمرے کی ایک ایک سیٹنگ یاد تھی۔ اور توقع کے عین مطابق ہر چیز اپنی جگہ پر ویسے ہی رکھی تھی جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔

"کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے تمہیں نقصان ہو۔" ار مغان کی باتیں دور کہیں گونجتی ہوئیں معلوم ہو رہی تھیں۔

سامنے دیوار کے ساتھ بیڈ رکھا تھا جس کے سرہانے اس کی تصویر لگی تھی۔ چھوٹی سوہا مسکراتی ہوئی سنہری آنکھیں اور لبوں پر ہر قسم کی پریشانی سے آزاد مسکراہٹ۔ ایک بھولی بسری مسکان نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔

بیڈ کے ساتھ ہی سائنڈ ٹیبلز تھیں۔ جبکہ ایک چھوٹی سی الماری اور ڈریسنگ کے ساتھ بک شیلف تھا۔ جس میں کتابیں سچی تھیں۔

وہ چلتی ہوئی بک شیلف کے پاس رک گئی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ساری کتابوں کو دائیں سے انگی پھیرتے ہوئے چھوا۔

"ڈونٹ ڈو اینی تھنگ ڈیٹ ہر ٹیو۔" وہ مسکرائی تھی اب کہ دل سے۔

پھر رخ موڑ کر کمرے کو دیکھا۔ اس کمرے میں اس ایک تصویر کے علاوہ اور کوئی تصویر نہیں تھی۔ پورا کمرہ ہلکے آسمانی نیلے اور سفید رنگ سے سجا تھا۔ سنہری آنکھیں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے لینڈ لائن پر ٹھہری تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے جلدی سے بڑھ کر فون اٹھایا تھا۔ پھر دروازہ کو دیکھا دروازہ کھلا تھا۔ دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے دو سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کی تھیں۔

"یہ فون نمبر ہے میرا۔" وہ ٹھلٹا ہوا اسے نمبر یاد کروا رہا تھا۔

"میں نے کیا کرنا ہے یاد کر کے بھلا۔" سوہانے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ خاکی رنگ کا کوٹ پہنے وہ ٹھلٹے ہوئے رکا تھا۔ سو نہری آنکھیں ویسے ہی سوالیہ نشان بنی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا پتا کبھی ضرورت پڑ جائے۔" وہ دھیمہ سا مسکرایا تھا۔ گال کا گڑھا ایک سیکنڈ کو واضح ہوا تھا۔
 "نہیں ہو رہا مجھ سے یاد اور میرے موبائل میں تو نمبر سیو ہے نا۔ زبانی یاد کر کے میں نے کونسا کوئی اگزیما
 پاس کرنا ہے"

وہ باضد تھی۔ بھلا اسے کب ضرورت پڑنی تھی۔

"سوہار پیٹ۔" آواز میں ذرا سختی تھی۔

"ٹوٹو فائیو فائیو، تھری نائن، نائن ٹوون 225539921"

اسے اپنے لب ملتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

سنہری آنکھیں ہنوز بند تھیں لیکن اس کے گال بھیکے ہوئے لگ رہے تھے۔ ہاتھ میں ریسپور ویسے کی پکڑا
 تھا۔

"اور لندن کو ڈکيا ہے؟ کنٹری کوڈ؟" دور کہیں وہ اس سے اب بھی مخاطب تھا۔

"ڈبل فور۔۔۔" اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ سنہری آنکھیں سرخ تھیں۔ جبکہ اب وہ انگلیاں چلاتی نمبر
 ڈائل کر رہی تھی۔

پھر ہاتھ میں پکڑا ریسپور کان سے لگایا۔ دل کی دھڑکن ایک دن ریشمز ہوئی تھی۔ کیا وہ اس کی آواز پہچان
 لے گا؟

کیا اس نے اسے ڈھونڈا ہو گا؟ کیا وہ اسے لینے آ جائے گا؟

ذہن میں گردش کرتے سارے سوالات اس وقت مانند ہوئی جب دوسری طرف بیل نہیں جا رہی تھی۔
اس نے جاں سے ہٹا کر ریسور دیکھا۔ پھر اسے واپس رکھ دیا "کیا اس نے نمبر بدل لیا تھا؟" یہ پہلا خیال تھا
جو اس کے دل میں آیا تھا۔

"سوہاتم ادھر ہو میں تمہیں اوپر دیکھ رہی تھی۔" عامرہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اسے
سائنڈ ٹیبل کے پاس بیٹھا دیکھ فوراً آگے بڑھی تھی۔

"کیا ہو اتم ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اس کے پاس آگئی تھی۔ سوہائی نے دونوں گال رگڑے تھے۔ دودھیا
گال پر سرخ نشانات کی چھاپ تھی۔

"کیا یہ فون چلتا ہے؟" کسی اندیشہ کے تحت پوچھا تھا۔ آواز میں لرزش سی تھی۔
"نہیں گھر میں جتنے لینڈ لائن ہے ان کا کنیکشن آف ہے۔ کوئی نہیں چلتا۔ تم کیوں پوچھ رہی تھیں؟"
سنہری آنکھوں میں کچھ اتر اٹھا۔ سکون؟ شاید یہ جان کر کہ اس نے نمبر نہیں بدلا۔
"اچھا سہی۔" وہ صرف اتنا کہہ سکی۔
"بھائی آگئے ہیں۔"

سوہا ویسے ہی بیٹھی رہی۔

"عرزم آرہا ہے کل۔ تمہیں پتا ہے سوہائی وہ سب سے مختلف ہے سب سے۔" عامرہ جوش سے بتا رہی
تھی۔ جبکہ سنہرے می آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔

"وہ ہمیشہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میرا ساتھ دیتا ہے۔ وہ دور ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی ہر چیز سے باخبر رہتا ہے۔" عامرہ اسی طرح کہہ رہی تھی۔

"وہ یہاں سے کیسے نکلے گی؟" سنہری آنکھیں گہری سوچ میں تھیں۔

"تمہاری بات پر آنکھ بند کر کے یقین۔" ار مغان کی آواز۔

"کیا پتا کبھی ضرورت پڑ جائے۔" لبوں پر قفل لگائے وہ لڑکی ویسے ہی بیٹھی رہی۔

oooooooooooo

ہا ہا ہا!! عامرہ تم واقعی سمجھدار ہو گئی ہو۔" وہ اس کے ساتھ لگی کھڑی تھی، جبکہ وہ ہنس کر کوئی بات کر رہا تھا۔

یہ منظر شیرازی ولاء کے پورچ کا تھا۔ ڈرائیور ڈگی سے سمان نکال رہا تھا، جبکہ وہ دونوں بہن بھائی ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

"آخری دفعہ جب بھائی اور تم لندن آئے تھے تو اتنا نہیں بولتی تھیں۔" وہ ہنستے ہوئے قدم بڑھا رہا تھا۔ عامرہ اس کے ساتھ ہی چل رہی تھی۔

"ایک سال ہو گیا ہے اس بات کو اور تمہیں کیا لگتا ہے ہماری فیملی میں صرف بھائی اور تم ہی سمجھدار ہو میں بھی ٹریپل اے Triple A کی ممبر ہوں۔" وہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔ اب وہ لوگ اندر بڑھ رہے تھے۔ مرکزی دروازہ عبور کرتے وہ مین ہال میں پہنچے تھے جہاں آصف شیرازی بازو پھیلائے کھڑے تھے۔ آج کی نسبت بالکل تندرست تھری پیس سوٹ پہنے۔

ملازم اس کے بیگ لے کر اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ڈیڈ!!" وہ ان کی طرف بڑھاتا تھا۔ عامرہ پیچھے رہ گئی تھی۔

"مائے بوائے۔" اس کو گلے لگاتے جوش سے تھپکا تھا۔ عامرہ تھوڑا فاصلہ پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"آپ مجھے لینے نہیں آئے۔" پچیس سالہ نوجوان اپنے باپ سے شکوہ کر رہا تھا۔

"میٹنگ تھی۔" ایک لفظی جواب دیتے وہ سب ہال کے صوفوں پر براجمان ہو گئے تھے۔ آصف صاحب اور ارحم ساتھ جبکہ عامرہ ان کے سامنے والے صوفہ پر ٹک گئی تھی۔ اب ادھر ادھر کی باتیں شروع تھیں۔ ارحم شیرازی، شیرازی خاندان کا دوسرا سپوت، لندن کا پوزیشن ہولڈر، نہایت ہونہار اور زیرک نظر۔ اس کے بال بالکل ار مغان جیسے تھے سیاہ، لیکن اسٹائل ذرا مختلف تھا۔ رنگ ہلکا گندمی، وہ پرکشش تھا۔ عامرہ نے اپنے بھائی کو دیکھا۔ وہ پچھلے سات سالوں سے ان سے دور تھا۔ آج وہ آگیا تھا اس کا بیسٹ بڈی ہمیشہ کے لیے۔

"بھائی کہاں ہیں؟" اس نے آنکھیں ادھر ادھر گھمائیں۔ ملازمہ جوس لے آئی تھی۔

"ایک کیس کے سلسلے میں گیا ہوا ہے آتا ہو گا ابھی۔" آصف شیرازی نے اسے اطلاع دی جس پر اس نے سر کو خم دیتے ملازمہ سے جوس کا گلاس تھاما۔

کالے ماربل کے زینہ پر آہٹ ہوئی تو سب نے چونک کر دیکھا۔ سنہری آنکھیں سوالیہ نشان بنی کھڑی تھیں۔ سنہرے بال پونی میں مقید تھے۔ جبکہ ہرے رنگ کی گھٹنوں تک آتی کرتی پہنے اس کے چہرے پر حیرانی تھی۔

"سوہائی بیٹا ادھر آؤ۔" آصف صاحب نے پیار سے پکارا۔

"سوہادیکھو ارحم آیا ہے۔ میں نے تمہارا دماغ کھالیا تھا نا کہ وہ آرہا ہے۔ ادھر آؤ۔" عامرہ آگے بڑھی تھی لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سب کو اچنبے سے دیکھتی وہ زینہ چڑھ گئی۔

"سوہائی!!" عامرہ اس کو آوازیں دے رہی تھی لیکن وہ چلی گئی تھی، اوپر جا کر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔

"ارحم آپ جا کر فریش ہو جاؤ تھک گئے ہو گے۔ ایک کانفرنس ہے ڈنر پر ملتے ہیں۔" وہ صرف مسکرایا تھا۔ اس کی مسکان بہت پیاری تھی۔

اس کا شاننا تھپتھپاتے آصف شیرازی اٹھ گئے وہ بیٹھا رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا ہر چیز پر سوچنے والا غور کرنے والا۔

نبیلی جیکٹ کے ساتھ ہاتھ میں قیمتی گھڑی پہنے اس کی آنکھیں پر سوچ تھیں۔

"بھائی آئیں کمرہ دکھاؤں میں نے اتنی ساری تصویریں لگوائی ہیں فریمز میں کر کے۔۔۔" عامرہ اس کا دھیان بھٹکار ہی تھی۔ وہ کم ہی اسے بھائی کہتی تھی ان کے درمیان تین سال کا فرق تھا لیکن وہ اسے نام سے بلاتی تھی۔

آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔ وہ کھڑا ہوا مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لابی میں چلنے لگا۔ پھر اس کا عکس دھندلا ہو گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ کہیں نہیں تھا۔ یاد کا بلبل ایک سیکنڈ ضائع کیے بغیر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اور کوئی کہے کہ موت سے زیادہ اذیت ناک چیز کیا ہے تو کہنا کہ کسی اپنے کی یاد، وہ اپنا جسے تم بہت پہلے کھو چکے ہو۔

وہ وہیں کھڑی رہ گئی تھی ان فوٹو فریمز کے پاس۔

oooooooooooo

"السلامُ علیکم!" ریشمہ نے مسکرا کر سامنے کھڑی خاتون سے ہاتھ ملایا۔ رخسانہ بیگم ساتھ ہی کھڑی تھیں جبکہ ابرش اسے دور سے ٹیبل پر بیٹھی ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"والعلیکم السلام! ماشاء اللہ ریشمہ تم تو اور پیاری ہو گئی ہو۔" وہ صرف مسکرا سکی۔

"لیکن یہ نقاب کب سے لینا شروع کیا؟" پھر وہی ایک سوال، لڑکی شادی میں بال کھول لے تو کوئی اعتراض نہیں ہوتا لیکن اگر ایک لڑکی نقاب لگا لے تو لوگوں کو بڑے مسئلے ہوتے ہیں۔ وہ صرف سوچ سکی کہا کچھ نہیں۔

"ماشاء اللہ سے ہماری ریشمہ عالمہ ہے۔" رخسانہ بیگم نے نہایت پیار سے اس کا ہاتھ تھپتھپا۔ وہ ان کی بھتیجی تھی۔ کہنے کو تو وہ پھپھی تھیں لیکن ریشمہ انھیں عزیز تھی۔ اس نے مسکرا کے انھیں دیکھا۔

"اور اب ڈگری بھی مکمل کرے گی یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا ہے۔" رخسانہ بیگم اعتماد سے بتا رہی تھیں۔ اس نے تشکر بھری آنکھیں اٹھا کے انھیں دیکھا۔

"ماشاء اللہ یہ تو اچھی بات ہے کہیں رشتہ دیکھا ہے بھائی صاحب نے؟" ریشمہ نے سامنے کھڑی خاتون کو دیکھا دل چاہ رہا تھا کچھ کر ڈالے مطلب جب پھپھو بتا رہی ہیں کہ میں پڑھ رہی ہوں تو رشتہ کی بات کہاں سے آگئی۔ "کنٹرول ریشمہ کنٹرول۔۔"

"پھوپھو میں ذرا ابر کے لیے کولڈ ڈرنک لینے آئی تھی باتوں میں لگ گئی۔" اس نے ایکسیوز کرنا چاہا۔

"جی بیٹے آپ جاؤ۔" رخسانہ نے پیار سے کہا تو وہ ان کے ساتھ سے نکلتی بے ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

ایک کولڈ رنک نکالتی وہ پلٹنے ہی والی تھی جب چند جملے کانوں کی سماعت سے ٹکرائے۔

"ارے کہاں! جس کزن کی شادی ہوئی ہے اس سے بڑی ہے، لیکن دیکھو ابھی تک رشتہ نہیں آیا۔" دو خواتین آپس میں ہانک رہی تھیں۔ فیملی گیدرنگز ٹاکسک نہ ہوں توں کیا ہی بات ہے۔ لیکن نہیں خواتین جہاں بیٹھ جائیں وہاں کہیں نہ کہیں سے کوئی بات نکل ہی آتی ہے۔ اسے برا لگا تھا لیکن شاید وہ وہاں نہ ٹھرتی اگر اسے یہ نہ پتا چلتا کہ موضوع گفتگو اس کی اپنی ذات ہے۔

"پتا چلا تھا کہ منگیتر نے شادی سے ایک ماہ قبل رشتہ سے انکار کر دیا تھا۔"

"اللہ ایسی کونسی آفت آگئی تھی؟" دوسری خاتون بھی بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھیں جیسے دنیا میں بات کرنے پر کوئی دوسرا موضوع بچا ہی نہ ہو۔

"خدا بہتر جانے جی اسلام آباد گئی تھی پھپھی کے ہاں واپس آئی تو رشتہ ختم تبھی سے یہ پردہ کا ڈھونگ۔۔۔" اس سے زیادہ سننے کی سکت اس میں نہیں تھی۔ اسے اپنے پاؤں ڈگمگاتے معلوم ہو رہے تھے۔

"یا اللہ لوگ کیسے اتنا بول لیتے ہیں؟" یہ وہ پہلی آواز تھی جو اس کے اندر سے آئی تھی۔ اس کا سر چکرار ہا تھا۔ دو سال پہلے ہوا واقعہ نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ کیسے ایک رشتہ نے اس کی ذات سوالیہ نشان بنا دی تھی۔ اس کی کیا غلطی تھی کیا قصور تھا؟ یہ کہ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا؟ اس نے اپنے لیے آواز نہیں اٹھائی تھی۔

کو لڈ ڈرنک واپس رکھتی وہ مردوں کی طرف بڑھی تھی۔ اپنے ابو سے گھر کی چابی لینے۔ مردوں کا انتظام الگ کیا گیا تھا۔ وہ دوسری طرف پہنچ کر دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں بار بار بھیگتیں لیکن وہ انھیں جھپک دیتی۔ آنسوؤں اندر رہ جاتے۔

شکر تھا ابو قریب ہی کھڑے تھے اور انھوں نے اسے دیکھ لیا تھا۔

"کیا ہوا ریشمہ طبیعت ٹھیک ہے؟" بلکل نرم آواز وہ ایک عمر رسیدہ شخص تھے۔ سفید بال، سفید داڑھی جبکہ شفیق طبیعت کے مالک اس کے بابا جن سے وہ سب سے زیادہ پیار کرتی تھی، مختار صاحب۔

"کچھ نہیں ابو سر میں ذرا درد ہے آپ چابی دے دیں گھر کی مجھے گھر جانا ہے۔" آواز میں نمی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے آنسوؤں ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

"اچھا آپ یہ چابی لو میں ساتھ چلتا ہوں۔" اس کی طرف چابی بڑھاتے وہ خود اس کے ساتھ چلنے لگے۔ گھر قریب ہی تھا۔ ایک گلی کے فاصلے پر۔

"نہیں ابو ابھی تو رخصتی نہیں ہوئی چچی کو برا لگے گا۔ آپ مجھے بس کونے سے دیکھ لیں میں چلی جاؤں گی۔" وہ اور کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے بیٹا آ جاؤ۔"

وہ آگے چلنے لگی مختار صاحب کونے پر رک گئے جب کہ وہ جلدی جلدی قدم بڑھانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں جاری تھے لیکن وہ پیچھے نہیں پلٹی تھی۔

گھر کا دروازہ کھول کر اس نے مڑ کر دیکھا تھا وہ ابھی بھی ویسے ہی کھڑے تھے اسے یاد تھا جب وہ ٹیوشن جاتی تو اب ویسے ہی گلی کے کونے پر کھڑے ہوتے تھے۔

اس نے ہاتھ ہلایا ان کی تسلی کے لیے کہ وہ پہنچ گئی۔ اور وہ ایسے ہی ہاتھ ہلاتی تھی پہنچ کے۔
پھر گھر میں داخل ہو گئی۔ مختار صاحب تسلی کرتے واپس پلٹ گئے۔

oooooooooooo

نیلا آسمان جامنی ہوا تو پرندے گھونسلوں کو واپس ہو لیے۔

کراچی کے ساحل پر سورج اپنی چھاپ چھوڑ کر کب کا غروب ہو چکا تھا۔

نیوز ہیڈ کوارٹر میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ عوامی پارٹی کے شنیر شو میں مدعو تھے۔ اسٹوڈیو اس وقت لائٹوں سے نہا رہا تھا۔ روشن اور بڑی بڑی ایل ڈی لائٹوں کے درمیان بیٹھائی وی سکریں پر چمچا تا وہ ہوسٹ پورے اعتماد سے سوال دہرا رہا تھا۔ بائیں طرف دل کی جگہ پر چھوٹا سا پاکستان کا بیج لگا تھا۔ سیاہ سوٹ پہنے وہ بالکل تیار تھا اس کے برعکس اس کے سامنے ہی وہ صاحب بیٹھے تھے۔ سفید کرتا پہنے وہ واقعی قومی پارٹی کے رکن معلوم ہو رہے تھے۔

"ہماری عدلیہ کا کیا؟ بھلا لوگ انصاف مانگنے عدالت نہ آئیں تو کہاں جائیں؟ کیا آپ کو نہیں لگتا ایک عام آدمی کے لیے عدالت کچھ نہیں کر رہی؟"

پین ہاتھ میں پکڑے وہ تیش میں تھا۔ سرمی بال ماتھے پر بکھرے تھے۔

"بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہم۔۔۔" ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اچک چکا تھا۔

"معذرت چیئر مین صاحب لیکن چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پچھلے چھتر سال سے ہم چاہ ہی تو رہے ہیں۔ عمل کب ہو گا؟"

کان میں لگے اسپیکر میں بریک کی آواز گونجی تھی۔ اس نے اہنا رخ کیمرہ کی طرف کیا تھا۔
 "ایک چھوٹے سے کمرشل بریک کے بعد ہم اپنی گفتگو یہیں سے جاری کریں گے۔" کیمرہ بند ہوا تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"اس ملک کا کچھ نہیں ہو سکتا۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے سیاہ آنکھیں گھمائی تھیں "مس نوشین!!" اس کی سیکریٹری جلدی سے آگے بڑھی تھی۔
 "میرا فون؟" سیکریٹری نے اس کا موبائل فون آگے کیا تھا

"ارمغان صاحب آپ اگلے سوال کی طرف کیوں نہیں بڑھ رہے؟ ہمیں لگتا ہے اس سوال پر بہت بحث ہو گئی۔" سامنے عوامی پارٹی کے چیئر مین بیٹھے اسی سے مخاطب تھے۔ اس نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر موبائل راؤنڈ ڈالس پر رکھ دیا۔

"اصل بات یہ ہے چیئر مین صاحب کہ میں ایک عوامی اسپیکر ہوں اور عوام مجھے دیکھتی ہے۔" نہایت تحمل سے جواب دیتا وہ انہیں ہی گھور رہا تھا۔

"ایک عوامی رہنما، نمائندہ وہی سوال کرے گا جس کا جواب میں یا آپ یا یہ چینل نہیں بلکہ عوام چاہتی ہے۔ عوام کو جواب مل جائے سوال آگے ہو جائے گا۔"

آخر میں اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"آپ کے بھائی بھی تو عوامی اور سرکاری رہنما تھے۔ ان کو عدالت سے انصاف مل گیا؟" سیاہ آنکھیں لمحہ میں سرخ ہوئی تھیں۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے والے کو گھورا تھا۔

"بلکہ ہمیں تو پتا چلا ہے کہ آپ کی کزن جن کے خلاف تمام ثبوت تھے وہ جیل سے فرار ہو گئی ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں وہ کہاں ہیں؟" موبائل ہاتھ میں پکڑے ار مغان نے پہلے انھیں ٹکلی باندھ کے دو سیکنڈ کے لیے گھورا تھا۔

"میرا بھائی قتل ہوا تھا چیئر مین صاحب اور قتل کا بدلہ صرف پھانسی ہے۔" آواز میں درشتی تھی۔

"اس سے فرق نہیں پڑتا کہ قتل کس نے کیا ہے اور کون فرار ہے فرق اس سے پڑتا ہے کہ کیا ہماری عدلیہ اس قابل ہے کہ وہ مجرم کو پکڑ کر قانون کے مطابق سزا دے سکے؟" سامنے والا اسے ہی سن رہا تھا۔

"افسوس کہ آج جو موضوع ہے اس میں ہم سب وکٹم ہیں کیونکہ پیسہ والے کی تو شاید سنوائی ہو جائے لیکن سڑک پر لوٹ مار کرتے ہوئے ایک غریب باپ کے جوان بیٹے کو قتل کرنے والے کبھی نہیں پکڑے جاتے ان کی کبھی سنوائی نہیں ہوتی۔" سیکریٹری اور باقی آس پاس والے دم سادھے اسے سن رہے تھے جب وہ بولتا تو مخالف ایسے ہی چپ سادھ لیتا تھا۔

"اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں اگلے سوال کی طرف کیوں نہیں بڑھ رہا۔ گریٹ!" آخری بات کہتے اس نے سیکریٹری کو دیکھا تھا۔ جس نے فوراً سے پہلے ٹشو سے اس کے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا تھا، ساتھ اس کی ڈرنک باٹل پکڑائی تھی۔

کان کے اسپیکر میں ایک بار پھر شو سٹارٹ کرنے کی اناؤنس مینٹ ہو رہی تھی۔

سب لوگ اپنی نشست سنبھال رہے تھے۔ ارمغان شیرازی واپس پہلے کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ باہم پھنسا کر سامنے ڈانس پر رکھے۔

وہ پر اعتماد تھا پہلے کی طرح جیسے ابھی بالکل ابھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ سرمی بالوں کو ڈریسر نے ایک بار پھر سیٹ کیا تھا۔ سامنے چلتی سکرین پر گنتی جاری تھی۔ شو شروع ہونے کی گنتی۔

اور جس دوران اس نوز شو کے سیٹ پر شو کی گنتی جاری تھی اسی وقت ہوٹل روم کا دروازہ کھول کر زیان اندر داخل ہوا تھا۔ اندر داخل ہو کر دروازہ کولاک کیا تھا جبکہ اس کے چہرے سے تھکان واضح تھی۔ بارہ گھنٹے کا سفر اس نے کس طرح طے کیا تھا یہ وہ ہی جانتا تھا۔

بھورے بال ماتھے پر بکھرے تھے جبکہ آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھیں شاید اسے فلو ہو گیا تھا۔

وہ چلتا ہوا آگے آیا۔ سامنے سنگل بیڈ تھا جبکہ دوسری طرف کاؤچ اور چھوٹا سا کبرڈکل یہ کمرہ تھا۔ یہ کوئی ہوٹل کا کمرہ تھا۔ کراچی میں ایسے بہت سے ہوٹل ہیں جہاں کام کی نیت سے آئے لوگ رہتے ہیں۔ زیان کو بھی یہ کمرہ آفس کی طرف سے ملا تھا۔

بیگ سائنڈ پر رکھا تھا وہ لیٹ گیا تھا۔ صبح والی سفید شرٹ پر بہت ساری سلوٹیں تھیں۔ آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں۔ جبکہ سیدھا لیٹا وہ چہت پر لٹکا پنکھا دیکھ رہا تھا۔

پاؤں بیڈ سے لٹکے تھے سر میں شدید درد تھا۔ اس نے پاکٹ سے موبائل نکال کر ٹائم دیکھا۔ ابھی ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے۔ مطلب کراچی تو جاگ رہا تھا۔

وہ پہلے بھی کراچی آیا تھا۔ لیکن بہت پہلے اپنے ابو کے ساتھ۔

پہلے دل کیا باہر جا کے چائے پیلے پھر ارادہ ترک کر تا وہ موبائل کھول چکا تھا۔ ابر کے نمبر سے ڈھیر ساری تصویریں موصول ہوئی تھیں۔ ہر زاویہ سے لی گئی تصویر۔ اس نے کال کا بٹن دبایا کال جا رہی تھی لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔ ایک بار پھر نور سپانس۔

اس نے ابرش کی چیٹ کھول کر دیکھی۔ اس نے شادی کی تصویریں بھیجی تھیں۔ وہ مسکرایا۔ پھر انگلی سے سلائیڈ کیا تو دوسری تصویر سامنے آئی۔ رخسانہ بیگم کے ساتھ۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ تیسری تصویر پر وہ رکا تھا۔

چہرے پر نقاب پہنے وہ لڑکی ابرش کے ساتھ بیٹھی تھی۔ شاید وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا۔ یقیناً ابرش نے خود اس سے بغیر پوچھے بھیجی ہوگی۔ سوچ کر اس نے واپس فون کال ملائی لیکن کسی نے نہیں اٹھائی۔

کچھ سوچتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بیگ سے کپڑے نکالتا رخ و اشروم کی طرف تھا۔

oooooooooooo

لندن کی اونچی عمارتیں ویسے ہی کھڑی سیاحوں کو دیکھنے میں مصروف تھیں۔ لال رنگ کی ڈبل ٹیکر بسیں مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ آسمان پر سیاہ بادلوں کا راج تھا البتہ ابھی شام کا ساما حول لگتا تھا۔

لندن سٹی ایئر پورٹ کے لابی ایریہ میں رومانہ اور عزم آگے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ رومانہ اس کے قدموں کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ وہ چہرے پر ماسک لگائے تیز قدم بڑھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ ہاتھ میں کافی کاگ تھا جس پر مارکر سے EK لکھا تھا شاید ابھی ایئر پورٹ سے لی تھی۔

"عزم فلائٹ رات کی ہے۔ ابھی سے ایئر پورٹ آنے کا مقصد؟" ایک تو وہ اس کی پی اے تھی لیکن اسے ہی نہیں پتا ہوتا تھا کہ وہ کیا اور کب کرے گا۔ رومانہ کو رہ کر اپنی قسمت پر افسوس ہوتا تھا لیکن اب کیا افسوس کرنا جب چڑیا جگ گئی کھیت۔

"تم سوال بہت کرنے لگ گئی ہو۔ مجھے لگتا ہے اب تمہیں فائر کر دینا چاہئے۔" وہ اس کی طرف پلٹا تھا۔ رومانہ رک گئی۔ ڈارک گرین کلر کی ہائی نیک کے ساتھ بلیک لانگ کوٹ پہنے وہ شاید مسکرا رہا تھا۔ رومانہ کے تو سر پر لگی تلوں پر بجھی۔

"ایکسیکوزمی! ہاں میں یہ نوکری ویسے بھی صرف حدید بھائی کی وجہ سے کر رہی ہوں مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارے پیچھے گھومنے کا۔" اب وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"اچھا اور بیس ہزار ڈولرز کی ضرورت تو مجھے پیش آئی تھی۔" اس نے ماضی پر چوٹ کی تھی۔ ماسک کی وجہ سے آواز ہلکی تھی۔

"ہاں تو چاہئے تھے مجھے اور تم بھی تو ٹراما میں تھے۔ نہیں تھے کیا؟؟" آنکھیں پٹیٹا کر اس نے دیکھا۔ عزم اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"ویسے میں کبھی سوچتی ہوں کیا ہوتا جو تم ٹراما میں نہ جاتے؟ کیا ہی ہوتا اگر وہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا؟" وہ سوچ سوچ کر کہہ رہی تھی۔

وہ لوگ لابی کے اینڈ پر بنے پرائیوٹ آئیر یہ میں داخل ہو گئے تھے۔

"نہ میں تمہاری پی اے ہوتی اور نہ ندا۔۔۔" وہ آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی۔ جب عرزم نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ زبان کو بریک لگی تھی۔ اب وہ سر جھکائے اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے صوفہ پر بیٹھ گئے تھے۔ یہ پرائیوٹ آئیر یہ تھا بزنس کلاس میں سفر کرنے والوں کے لیے سہولت۔ آس پاس لوگ تھے لیکن زیادہ نہیں ایک تو بزنس کلاس کے لیے تھا دوسرا بھی فلائٹ میں خاصا وقت تھا۔ رومانہ ٹیبیل پر رکھا اس درست کر رہی تھی "لوگ چیزیں جگہ سے ہلاتے کیوں ہیں۔ ہونہ۔"

ماسک ایک طرف سے اتارتے عرزم نے موبائل نکالا۔ لیکن نکالنے سے پہلے ہی وہ بج گیا تھا۔

رومانہ جو کہ ٹیبیل پر رکھے اس کو صحیح کر رہی تھی سر اٹھا کر اسے دیکھا جو موبائل اسپیکر پر کرتا پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

رومانہ نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے صوفہ کی پشت سے ٹیک لگائی۔ البتہ بھنویں چڑھا کر وہ سکرین پر چمکتا نام دیکھ چکی تھی "مس سوزینا"

"عرزم تم نے جو چیک بھیجا تھا وہ کلیئر نہیں ہوا۔" اسپیکر سے آواز ابھری تھی۔ وہ ہی باریک سی آواز۔

(اس نے چیک کب بھیجا؟ رومانہ نے سامنے بیٹھے عرزم کو دیکھا۔)

"اپس!! لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے اکبر صاحب نے خود تو دیا تھا چیک؟" وہ بالکل پرسکون بیٹھا تھا۔

("حد ہے رومانہ تم پی اے ہو اس کی۔ اگر جو ابھی ایڈنبر اسے فون آتا چیک کلیر ہونے پر تو کیا بتاتیں؟" اس نے خود کو ملامت کی البتہ چہرہ ایسے ہی بناتا اثر والا تھا۔)

"وہ ہی تو کہہ رہی ہوں تمہارا سائن مکمل نہیں ہے اس میں۔" آواز میں واضح اکتاہٹ تھی۔ عزم کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"اوہو کیا ایسا ہے؟ کیا مکمل نہیں ہے؟"

("ایکٹنگ کروالو بس۔" رومانہ نے بالوں کی لٹ انگلی پر لپیٹتے سامنے بیٹھے اس شخص کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔)

"ایم M تم نے آخر میں ایم نہیں لکھا۔" کمال ضبط سے اطلاع دی گئی تھی۔

"اللہ کوئی بات نہیں سوزینا تم ایک کام کرو جو لاسٹ ٹرپ کے پیسے نہیں ہیں۔" وہ کچھ سوچ کر کہہ رہا تھا آگے کو ہو کر موبائل کی طرف جھکا تھا۔

"یاد ہے لاسٹ ٹائم جب تم اٹلی گئی تھیں کچھ پیسے ہیں تمہارے میری کمپنی پر اس میں سے کٹ کر لینا۔" اس نے جیسے یاد دلایا دوسری طرف ذرا دیر کی خاموشی چھا گئی۔ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا۔ موبائل، تیلی پر رکھا تھا۔

(رومانہ کو صبح کی شاپنگ یاد آئی۔)

"کیا میں خود ابھی آکر۔"

"سوری لیکن ابھی تو میں ایئر پورٹ پر ہوں۔" اس نے جھٹ سے کہا تھا۔

(بالآخر رومانہ مسکرائی تھی۔ "مطلب ایئر پورٹ اس لیے جلدی آنا تھا۔")

"اچھا اوکے میں دیکھتی ہوں۔" کھٹک سے فون بند ہوا تھا۔ عرزم نے رومانہ کو دیکھا۔

"مطلب اب میں اس کی ٹرپ کے پیسے بھی ادا کروں کیا میں اتنا بیوقوف نظر آتا ہوں؟" شکل بناتے اس نے شاید سوال کیا تھا یا شاید خود ہی جواب دیا تھا۔

رومانہ کا قہقہہ زوردار تھا۔ پاس سے گزرتے ورکر بوائے نے اسے دیکھا تھا لیکن پرواہ کسے تھی۔

oooooooo

رات کی سیاہی آسمان پر پھیلی تھی لیکن کراچی اس وقت بھی جاگ رہا تھا۔ آسمان پر ٹمٹماتے تاروں کے درمیان سجا چاند بادلوں کی اوٹ سے شہر کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

ایسے میں اگر شیرازی ولاء کا رخ کیا جائے تو شیرازی ولاء کے گارڈن میں سچے پھول اسٹریٹ لیمپ کی طرح لگے بلب کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں بھی گارڈن میں آج رونق تھی۔ مرکزی دروازے کے باہر گارڈز معمول کی طرح اپنی ڈیوٹی دے رہے تھے جبکہ ان سب سے ہٹ کر اگر اندر کا جائزہ لیا جائے تو باہر کی نسبت اندر کی بتیاں بجھی تھیں جیسے سب مکین سوگئے ہوں۔ ڈائنگ ہال کے ساتھ لگا گھنٹہ گھر رات کا دو بج رہا تھا۔

ہلکی روشنی کے درمیان غور سے دیکھو تو ارمغان شیرازی دھیرے دھیرے قدموں سے ماربل سے بنا کالا
 زینہ چڑھ رہا تھا۔ اس کی چال میں تھکن تھی جیسے وہ بہت تھک گیا ہو۔ گردن ہاتھ سے دباتا کوٹ بازو پر
 فولڈ کر کے ڈالا ہوا تھا۔ سرمی بال ماتھے پر گر رہے تھے۔ جبکہ اس کے چہرے پر تھکن کا انصر شامل تھا۔
 ملازم شاید سونے جا چکے تھے۔ وہ خاصی دیر سے آیا تھا۔

پہلے اس نے پہلی منزل پر بنے دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ عامرہ سو رہی تھی۔ کتابیں
 آس پاس بکھری تھیں جبکہ نائٹ بلب کی روشنی میں اس کا چہرہ پُر سکون تھا۔

عامرہ کی طرف سے تسلی کرتا وہ آصف صاحب کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو کمرے میں
 مکمل اندھیرا تھا ایک ہلکا سا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ جبکہ اے سی کو لنگ بہت تیز تھی۔

وہ چلتا ہوا آگے آیا پھر اے سی کا ریوٹ اٹھا کر کو لنگ ہلکی کی۔ آصف صاحب بستر پر کمرے میں لیٹے
 تھے شاید سو رہے تھے۔ ایسا اس نے سوچا۔

"ارمان" ابھی وہ پلٹتا کہ اس سے پہلے ہی ان کی نحیف سی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔

اس نے سائنڈ لیمپ کھولا۔

"بابا آپ جاگ رہے ہیں؟" ان کے جھری زدہ چہرے کو دیکھتا وہ پریشان تھا۔ وہ ابھی تک کیوں جاگے
 رہے تھے؟

ان کو سہارا دے کر بٹھایا پیچھے کچھ تکیہ رکھے تھے۔ کوٹ وہ سامنے رکھے صوفہ پر رکھ چکا تھا۔

"بابا میں سمجھا آپ سو گئے ہوں گے۔" نرمی سے ان کا ہاتھ تھامتا نہایت دھیمہ لہجہ میں مخاطب تھا۔

"انتالیٹ کیوں آئے؟" غیر متوقع سوال تھا ار مغان نے پہلے انھیں دیکھا پھر ہلکا سا ہنسا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ مطلب بابا اس کے لیے پریشان تھے۔

"ایک ضروری کام تھا وہ کرتے ہوئے دیر ہو گئی۔" وہ ابھی بھی ہلکے پھلکے انداز میں ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔

"وہ بھاگ گئی ہے؟" اس کی ہنسی تھی تھی آج تو بابا شاک پر شاک دے رہے تھے۔

"کون؟" آواز میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ جیسے وہ کچھ نہ جانتا ہو۔

"وہ ہی جس کے لیے صبح جلدی پولیس اسٹیشن گئے تھے۔" ار مغان کا دایاں آنسو و کمان کی طرح کھڑا ہوا تھا۔

"باپ بستر سے لگ گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے کچھ نہیں پتا۔" آواز میں شکوہ تھا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ شرمندہ ہوا تھا۔ بات یہ نہیں تھی کہ اس نے انھیں بتایا نہیں تھا۔ بات یہ

تھی کہ وہ بتانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ۔ وہ کسی بھی قسم کا سٹریس لیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

انھوں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جس کی سیاہ آنکھیں انھیں پر جمی تھیں۔

"کتنے لوگوں نے سوال کیا؟" وہ واقعی بزنس مین تھے۔ ار مغان کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا اس نے

اعتراف کیا تھا۔

"دو" ایک سر دسائس ہوا کے سپرد کی۔

"وہ کہاں ہے؟" گردن موڑے وہ سامنے دیوار کو دیکھ رہے تھے۔ پردے گری دیوار پر کوئی چیز قابلِ غور

نہیں تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سادہ لہجہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے۔

"سہی!" انھوں نے واپس اس کی طرف دیکھا ار مغان انھیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"پولیس ڈھونڈ لے گی اسے۔" اس نے بات جاری رکھی۔

"اور تم؟"

"میں؟"

"تم نہیں ڈھونڈ رہے؟" ان کی آواز میں کچھ تھا۔ اور ان کی آنکھوں میں نئی چمکی رہی تھی۔

"یا تم اسے واپس جیل نہیں بھیجنا چاہتے۔ تمہیں ڈر ہے کہ اگر تم نے اسے ڈھونڈ لیا تو پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔" ار مغان انھیں دیکھ کر رہ گیا۔

"بابا آپ نے دوائی لی؟" وہ بات پلٹ رہا تھا۔

آصف صاحب نے اسے دیکھا جو کھڑے ہو کر سائنڈ ٹیبل پر رکھی دوائیاں دیکھ رہا تھا۔

"کھانا کھالیا تھا؟" ایک ٹیبلیٹ اٹھا کر واپس رکھی۔

"عامرہ کے ساتھ کھایا تھا۔" انھوں نے ہلکی سی آواز میں جواب دیا۔

"گریٹ بابا مجھے خوشی ہے کہ وہ نارمل ہو رہی ہے۔ اس کا نارمل ہونا بہت ضروری ہے۔" کچھ دیر پہلے والی بات جیسے اسے بھول گئی تھی۔ پھر گھٹنوں کے بل ان کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کے دونوں جھریوں والے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے تھے۔

"بابا آپ پریشان نہ ہوں۔ میں صرف اس لیے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ آپ پریشان ہو جائیں گے اور میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔"

آصف صاحب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"سوہائی ٹھیک ہوگی جہاں بھی ہوگی۔ پولیس اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ قانون سے بھاگی ہے قانون اسے خود پکڑ لے گا۔" پھر آنکھیں اٹھا کر انھیں دیکھا۔

"اب آپ سو جائیں۔" انھیں بستر پر لٹا کر اس نے نے کمفرٹر صحیح سے اڑایا۔ پھر سائنڈ لیمپ بند کر دیا۔ کوٹ صوفہ سے اٹھاتا وہ کمرہ سے باہر نکل رہا تھا جب اس کے کانوں سے ان کی آواز ٹکرائی تھی۔

"کیا ہوتا اگر سوہائی کبھی پاکستان نہ آتی؟" ار مغان کے قدم زنجیر ہوئے تھے، وہ پلٹا تھا۔ سیاہ آنکھیں کچھ دیر پہلے سے بالکل مختلف تھیں۔ ان میں تپش تھی، ندامت تھی یا شاید خوف۔ وہ ویسے ہی بت بنے کھڑا رہا۔ "کیا یہ کوئی سوال تھا؟"

"کیا وہ اسے احساس دلارہے تھے؟" BEING THE STRING OF YOU

آصف شیرازی آنکھیں موند گئے تھے اور اس کی نیند اڑ گئی تھی۔

کمرے سے نکل کر دروازہ اس کے پیچھے بند ہوا تھا۔ یہ طے تھا اب ساری رات آنکھوں میں کٹنی تھی۔

oooooooooooo

کراچی کی اس کالی اندھیری رات سے کوسوں دور ایڈنبرا میں ابھی شام کا سماں تھا۔ سورج ڈوبنے کو بے تاب جبکہ سیاح تاریخی مقامات گھومنے نکلے تھے۔ بھیڑ سے پتا چلتا ہے کہ ایڈنبرا سیاحت کے لحاظ سے ایک بہترین جگہ ہے۔

ایسے میں مال کی ریلنگ پر ہاتھ جمائے حید سامنے پلے لینڈ میں کھیلتی حورین کو دیکھ رہا تھا۔ سفید ڈریس شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں جبکہ نظریں سامنے کھیلتے بچوں پر تھیں۔ سیاہ بال جیل سے دائیں طرف سیٹ تھے۔

اس کے بالکل ساتھ ند ابھورے رنگ کی فلورل فرائیڈ پہنے کھڑی تھی۔ باب کٹ بال کھلے تھے جبکہ گلے میں سفید رنگ کا اسکارف لپیٹا ہوا تھا۔ حید سے میچنگ کرنے کے لیے۔ وہ مسکرا رہی تھی ہر فکر سے آزاد جبکہ ساتھ کھڑا حید کا ذہن کھیں الجھا تھا۔ کہاں؟

حورین نے اپنے ماما بابا کو مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ جس پر ندانے بھی اسے ہاتھ ہلایا تھا۔ حید ایسے ہی کھڑا رہا۔

"حید!" ندانے اس کا بازو پکڑتے ہوئے پکارا۔

"ہمم!!" وہ جیسے کسی سوچ سے باہر آیا تھا

"کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" آواز میں فکر مندی تھی۔

"کہیں نہیں بس ذرا آفس کا ایک مسئلہ ہے۔" بانیں ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے اس نے آنکھوں کے گوشے دبائے تھے۔

"زیادہ کوئی مسئلہ ہے تو تم مجھ سے سنیر کر سکتے ہو۔" ندا کو وہ پریشان لگ رہا تھا۔

"نہیں اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ ڈونٹ وری۔" بازو پر رکھا اس کا ہاتھ تھپتھپاتے وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ گال پر پڑتا گڑھا واضح ہوا تھا۔

حورین ویسے ہی سامنے کھیل رہی تھی۔

"کافی؟" حدید نے ساتھ کھڑی ندا کو دیکھا۔

"وائے ناٹ!!" مسکرا کر حدید کو دیکھا۔

مسکرا کر سر اثبات میں ہلاتا وہ اس کے ساتھ سے نکلتا کیفی ٹئیریا کی طرف بڑھتا تھا۔

ندا نے پلٹ کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ نگاہیں پر سوچ تھیں۔

حدید کیفی ٹئیریا کی طرف جاتے ہوئے رکھتا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کیا وہ یہاں تھی؟
 "نہیں۔" اسے صرف ایسا لگا تھا۔ گردن کی گلی ابھر کر معدوم ہوئی وہ ابھی بھی کاریڈور کے بیچ میں ویسے ہی کھڑا تھا۔ آس پاس خریداری کرتے لوگوں میں ایک چہرہ واضح ہو رہا تھا۔ وہ چہرہ کسی اور کا نہیں اس کا تھا۔ یادوں نے دروازے پر دستک دی تو صفحہ پلٹے۔ ماضی واضح ہوا تو حال کہیں دور جا بسا۔

"مسٹر خانزادہ!" اس سے پہلے حدید مین ڈور عبور کرتا اس نے پیچھے سے اسے پکارا تھا۔ افف!! حدید نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ وہ پلٹا نہیں تھا۔ یہ ایک فلیٹ تھا۔ لندن کے پر تعیش علاقوں میں سے ایک علاقہ میں کھڑی عمارت کا دسواں فلور۔

گھٹنوں تک کالا لنگ کوٹ پہنے ویسے ہی کھڑا رہا۔

"مسٹر خانزادہ!" وہ اس کے قریب آ کر رکی تو حدید نے دایاں آنبر واٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ۔۔" اس کی آنکھوں میں سوال دیکھ جھٹ سے گھڑی آگے کی تھی۔ حدید نے پہلے اسے دیکھا۔ پاؤں کو چھوتی فلورل فرائک پہنے، سنہری بال پونی ٹیل میں مقید تھے۔ جبکہ میک اپ سے پاک چہرہ بالکل سادہ تھا۔ کل رات کے واقعے کا ذرا شک نہیں ہوتا تھا۔

"آپ گھڑی بھول گئے تھے۔ نانوں نے دی ہے۔" اسے ایسے دیکھتا پا کر اس نے وضاحت دی تھی۔ گھڑی تھامے ہاتھ ابھی بھی آگے تھے۔ وہ اس کے لینے کی منتظر تھی۔

حدید نے ہاتھ بڑھا کر گھڑی لی۔ پھر مڑ کر دروازہ کے اندر دیکھا۔

"دادو بھی نا۔" اس نے محض سوچا کہا کچھ نہیں۔

وہ ویسے ہی کھڑی تھی۔ حدید نے گھڑی لے کر ہاتھ میں پہنی یہ ایک رسٹ وائچ تھی لائنیک جس کی سوئی کی ٹک ٹک سنائی دیتی تھی بالکل ہلکی آواز میں۔

وہ ابھی بھی کھڑی تھی۔ حدید نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اس سے قدمیں ذرا چھوٹی تھی۔ کندھے سے نیچے آتی تھی۔ وہ اسے گردن جھکائے دیکھ رہا تھا۔ سنہری آنکھیں ویسی ہی تھیں۔

"مجھے آپ سے دو باتیں کلیر کرنی ہیں۔" اسے ایسے دیکھتا پا کر سوہائی نے بات جاری کی۔

حدید نے پہلے گھڑی دیکھی۔ اس کے پاس ٹائم تھا۔ اس کی بات سن سکتا تھا۔

"میں لیٹ ہو جاؤں گا۔" آواز میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"دوسیکنڈ کی بات ہے سن لیں۔" وہ ویسے ہی کھڑی رہی۔ حدید نے پہلے اسے دیکھا، پھر بازو سینے پر باندھتا فرصت سے کھڑا ہو گیا۔

سوہانے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ سیاہ آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔

"پہلی بات میں یہاں اپنی مرضی سے ہر گز نہیں آئی۔۔۔" سوہانے اس کے تاثرات دیکھنا چاہے۔ وہ ویسے ہی کھڑا تھا۔

"مجھے نانولے کر آئی ہیں۔ شاید تھوڑے دنوں تک چلی جاؤ۔"

"یہ بتانا تھا؟" حدید نے اس کے سر کو دیکھا کم گھوراز یادہ۔

"ایک اور بات اور وہ یہ کہ۔۔۔" ایک لمحہ کو تھمی۔

"کہہ دے کیا؟"

"میں چڑیل نہیں ہوں۔" اس نے جس سنجیدگی سے کہا تھا حدید کو سمجھنے میں ذرا دقت ہوئی تھی۔ وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی۔

"بس یہ ہی تھا۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اور یہ سب کس نے کہا ہے؟" اس کی آواز پہلے سے مختلف تھی۔

"عرز نے۔" سنہری آنکھیں ویسی ہی رہیں۔

"عرز نے؟" اس نے تصدیق چاہی سوہائی نے گردن ہاں میں ہلائی تھی۔

اس نے جیسے سمجھ کے سر کو خم دیا۔

"اور کچھ؟" بازو سینے پر باندھے وہ ویسے ہی کھڑا تھا۔

"نہیں۔ آپ جائیں لیٹ ہو جائیں گے۔" وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

حدید نے پہلے اسے دیکھا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ سوہانے اس کی نظروں نے اس کی پشت کا تعقب کیا تھا۔

اور پھر وہ اندر چلی گئی تھی۔ نانو سامنے سٹنگ ایئر یہ میں بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے گلے میں ہاتھ ڈالتی وہیں بیٹھ گئی۔

"دے دی گھڑی؟" ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔

"جی دے دی۔" وہ ویسے ہی ان کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔

"نانو جب سے سوہائی آئی ہے، آپ ہمیں بھول گئی ہیں۔" عرزم جو س کا گلاس ہاتھ میں پکڑے منظر میں آیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سوہائی کی اپنی جگہ ہے جب کہ تم دونوں اپنی جگہ بہت خاص ہو۔" انھوں نے اس کے سر پر ہلکا سا ہاتھ مارا۔ وہ ان کے برابر میں ہی بیٹھ گیا تھا۔

"عرزمیں نے مسٹر خانزادہ سے پوچھا۔" سوہائی نانو سے الگ ہوتی عرزم سے مخاطب تھی۔

"کیا پوچھا؟؟" اسے اپنے آس پاس خطرہ کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"یہ ہی کہ میں چڑیل نہیں ہوں اور میں خود سے نہیں آئی۔ نانولائی ہیں۔" وہ سادہ انداز میں کہتی اس کے سر پر دھماکہ کر رہی تھی۔

"دادو۔" عرزم نے دادی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شاک تھا گویا اسے اس سے اس قسم کی امید نہیں تھی۔

"بیٹے اب آپ شام میں خیر منائیں۔" تسبیح سائڈ میں رکھتیں حمیدہ بیگم مسکرائی تھیں۔

سوہائی نے عرزم کو دیکھا جو اسے گھورتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ پھر چلتے ہوئے کمرے کا دروازہ ٹھک سے بند کیا تھا۔ کسی مصیبت سے پہلے کے سائڈ ایفیکٹس۔

"میں نے کچھ غلط کیا، کیا؟" سوہا ابھی تک حیران تھی۔

"حدید حدید۔۔۔" ندانے اس کا شانہ تھپتھاپا تھا۔

ماضی کہیں دور دھندلا ہو رہا تھا، صفحہ اپنی جگہ پر آئے تو حال ایک بار پھر غالب آ گیا، وہ، اس سے جڑی ہر بات ایک آواز سے مدھم پڑ گئی۔
ندا اس کے ساتھ کھڑی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا ہوا؟ کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ کیفے ٹیریہ جانا تھا نا؟" اس کا دایاں ہاتھ اس کے کندھے پر دھرا تھا۔
"ہوں وہیں جا رہا تھا۔" حدید نے مسکرا کر ندا کو دیکھا تھا جو اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔ ہم گھر چلتے ہیں۔"

آواز میں واضح فکر تھا۔

"ڈونٹ وری میں ٹھیک ہوں۔ بالکل ٹھیک۔" مانتا کر اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔ وہ اسے اپنی پریشانی میں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں ہم گھر چلتے ہیں پھر کبھی آجائیں گے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور تم حورین کو لے کر بیٹھو میں آ رہا ہوں۔ ہم!!" اس نے تسلی دیتے اس کے کندھے پر بازو پھیلا یا تھا۔ ندانے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ سیاہ بال بالکل سیٹ تھے۔ ہونٹوں پر ہر وقت رہنے والی مسکان تھی لیکن وہ جانتی تھی وہ باہر سے جتنا ٹھیک لگ رہا تھا اندر سے اتنا تنگ تھا۔

پھر وہ اس کے ساتھ سے نکلتا آگے نکل گیا۔ ندانے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

"وہ کیوں پریشان تھا؟" حدید کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے دوسری طرف پی کیپ پہنے ویٹر کو آرڈر دے رہا تھا۔

"کیا اسے پتا چل گیا تھا؟" اب وہ والٹ سے کارڈ نکال کر آگے بڑھا رہا تھا۔

"نہیں۔۔" دل میں خدشات اپنی جگہ بنا رہے تھے۔ لیکن اس کی تسلی کے لیے یہ بات ہی کافی تھی کہ۔ وہ اس کے ساتھ تھا۔ وہ اس کے لیے کافی تھا۔

oooooooo

واشر روم کو دروازہ کھولتے، نائٹ گاؤں پہنے وہ باہر نکلا تھا۔ سرمی بال نم تھے جبکہ اس کے چہرے سے تھکان واضح تھی۔ پس منظر میں اب بھی کہیں اس کے دل میں ایک ہی بات آرہی تھی۔

"کیا اس نے واقع غلط کیا تھا؟" اندھیرا غالب تھا لیکن سائنڈ لیمپ جل رہے تھے۔

تمام باتوں کو ذہن میں سوچتا وہ بیڈ کے ساتھ رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔ پشتاوا انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ یہ وہ بلا ہے جو انسان کو اندر سے کھا جاتی ہے۔

"کیا ہوتا اگر سوہائی کبھی پاکستان نہ آتی؟" اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ دل کی دھڑکن ایک دم سست ہو گئی تھی۔

کرسی آگے پیچھے ہوتی خاموشی میں ارتکاز پیدا کر رہی تھی۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور دایاں ہاتھ کنپٹی پر دھرا تھا۔

سوچوں کا زاویہ طویل ہو گیا تھا۔

اندھیرے کی جگہ روشنی نے لے لی تھی۔ اور سنائے میں ہلتی کرسی کی آوازیں کانٹے اور چمچوں کی آوازوں کے درمیان ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ دماغ ماؤف ہوا تھا جب کہ سوچوں کے تانے بانے اس دن سے جڑ گئے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بھلا کس دن سے؟"

ڈائننگ ہال کی ٹیبل پر وہ چاروں نفوس کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ زندگی آسان تھی۔

مرکزی کرسی پر آصف شیرازی جبکہ ان کے دائیں طرف ارمغان اور بائیں طرف ارحم کے برابر میں عامرہ بیٹھی تھی۔ ملازم ہاتھ باندھے پیچھے کھڑے تھے۔

"سوہائی کہاں ہے؟" ارمغان نے سامنے بیٹھی عامرہ سے پوچھا تھا۔

"بھائی وہ سو گئی ہے۔ لیکن وہ گیسٹ روم میں تھی میرے ساتھ تو وہیں سو گئی۔"

کچھ سوچتے ار مغان نے سر ہلایا تھا۔ ذرا دیر کو خاموشی چھائی اور پھر ار مغان کی آواز نے خاموشی کو توڑا تھا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا کرنا ہے آگے؟" ہاتھ میں کانٹا پکڑے سیاہ آنکھیں سامنے بیٹھے بھائی پر تھیں۔

ارحم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آصف شیرازی سب نظر انداز کیے بیٹھے تھے البتہ عامرہ کو تجسس تھا۔

"کیا کرنا ہے مطلب بھائی؟ سیاست پڑھی ہے تو سیاست ہی کریں گے۔" نوالا چباتے اس نے سر سری سا کہا تھا۔ وہ واپس اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ لیکن ار مغان ابھی بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

"جہاں سے پڑھ کر آئے ہو، وہاں کی سیاست بہت مختلف ہے۔" بولا تو آواز دھیمی تھی۔

"بھائی سیاست تو ہر جگہ ایک سی ہے۔ پھر چاہے انگریزوں نے اسے بادشاہت کا نام دے دیا ہو اور ہم نے پولیٹیکس۔ نام بدل جانے سے کھیل نہیں بدلتے۔" اس کی آواز سادہ تھی لیکن اس میں ایک آنچ ضرور تھی جیسے وہ اپنا فیصلہ سنارہا ہو اور وہ اپنے فیصلہ سے بالکل بھی پیچھے نہ ہٹے۔

عامرہ نے آنکھیں اٹھا کر اپنے بڑے بھائی کو دیکھا۔ ان تینوں میں ایک مشابہت تھی ان کی سیاہ آنکھیں۔ وہ ابھی بھی سامنے بیٹھے ارحم کو دیکھ رہا تھا اور یہ تو طے تھا کہ وہ اسی کا بھائی تھا۔

"سیاست کھیل نہیں ہے۔" اس نے پھر سے کھانا شروع کر دیا تھا البتہ سیاہ آنکھیں اب بنانا اثر تھیں۔ ارحم نے اسے دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

"یہ ایک خونی کھیل ہے۔" you know the game of blood

ارحم اسے ہی سن رہا تھا۔

"اور ہمارے خاندان کی کوئی خوشگوار یاد نہیں ہے اس ایک پیشہ سے۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔
آصف شیرازی ویسے ہی بیٹھے تھے۔ ارجم نے انہیں دیکھا۔

"اگر ایسی ہی بات ہے بھائی تو صحافت سے کونسی اچھی یادیں جڑی ہیں۔" اس کی آواز مودب تھی۔ وہ بڑا
بھائی تھا اس کا وہ اس کے سامنے اونچی آواز میں بات نہیں کرتا تھا۔

کھانا کھاتے ارمغان کی حرکت تھمی تھی۔ آصف شیرازی نے اب کہ سر اٹھا کر دونوں بیٹوں کو دیکھا تھا۔
"اگر ایسی ہی بات ہے تو صحافت نے ہمیں کیا دیا جو کچھ انکل کے ساتھ ہوا کیا آپ اسے جسٹیفائی کر سکتے
ہیں؟" اس کی سیاہ آنکھیں بالکل پُر سکون تھیں۔ عامرہ نے سر جھکا دیا تھا۔ اس کے عقل سے بالاتر باتیں
تھیں۔

"نہیں کر سکتے نہ آپ۔" ارمغان اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کا بھائی واقعی بڑا ہو گیا تھا۔
"پھر بھی آپ نے صحافت کو چنا کیوں؟" ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔ ایک خاموشی سی اس
فیملی ڈنر پر پھیل گئی تھی۔ اور یہ خاموشی کوئی خوشگوار خاموشی نہیں تھی۔

"میرا سب کچھ کرنے، اور صحافت کرنے کا کوئی مقصد تھا۔" ارمغان کو اپنی آواز گہری کھائی سے آتی
محسوس ہوئی تھی۔

"مقصد کچھ بھی ہو بھائی آپ نے وہ کیا جو آپ کرنا چاہتے تھے۔" وہ آخر میں مسکرایا تھا۔ اس کی مسکراہٹ
بہت پر خلوص ہوتی تھی۔

"اور مجھے امید ہے آپ مجھے بھی وہ ہی کرنے دیں گے جو میرا دل کرے گا۔" اس کی آنکھوں میں مان تھا۔
ارمغان اس کا بڑا بھائی تھا یہ مان اسے ہی رکھنا تھا۔

"اوکے لیٹس چینج ڈائپک۔۔۔ تم جو چاہو وہ کرو اپنے فیصلہ میں آزاد اور خود مختار ہو۔" اس کی گردن دائیں بائیں ہلی تھی۔ جیسے وہ ٹی وہ سکریں پر بیٹھ کر بولتا تھا۔ آصف شیرازی نے اسے دیکھا۔

"لیکن تم آخر میں جو بھی فیصلہ کرو گے، مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا تھا۔ ارحم نے سر کو خم دیا تھا۔ اس کا ساتھ ہی اس کے لیے کافی تھا۔

"اچھا سب چھوڑیں کھیں گھومنے چلتے ہیں۔" یہ عامرہ تھی۔ زندگی سے بھرپور باتیں ایک بار پھر شروع ہو گئی تھی۔

اور جس وقت اس ڈائنگ ٹیبل ہو وہ چاروں نفوس بیٹھے باتوں میں مگن ہو گئے تھے اس گھر میں مکین پانچواں فرد دبے قدموں عامرہ کے کمرہ میں داخل ہوا تھا۔

کمرے میں لائٹ کھلی تھیں۔ وہ اندر داخل ہوئی اور پھر دروازہ اپنے پیچھے بند کیا۔ دو سیکنڈ وہ دروازے کے ساتھ لگی کھڑی رہی تھی۔ آنکھیں بند کئے۔

پھر سنہری آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ عامرہ کا کمرہ تھا۔ جس میں پچھلے تقریباً ایک ماہ سے وہ رہ رہی تھی لیکن کل ہی اپنے کمرے میں رہنا شروع کیا تھا۔

ڈریسنگ پر عامرہ کا موبائل رکھا تھا۔ وہ جلدی سے دوڑ کر موبائل کے پاس آئی تھی۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ عامرہ کے موبائل پر کوئی پاسورڈ نہیں تھا۔ کاش کہ ایسا ہی ہو۔ اپنی سوچوں میں وہ خود سے مخاطب تھی۔ موبائل کے ساتھ ہی تار جا رہا تھا۔ مطلب موبائل چارج پر تھ۔ اس لیے عامرہ لے کر نہیں گئی تھی۔

اس نے موبائل اٹھا کر کھولا۔ ہوم والیپپر پر کسی کتاب کی تصویر لگی تھی۔

سوہانے جلدی سے فون ڈائیلر نکالا تھا۔ اب وہ کی پیڈ پر نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ ہند سے ابھر رہے تھے۔
آخر میں لندن کا سٹی کوڈ لکھا تھا۔

نمبر ملاتے ہوئے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ جبکہ موبائل کان سے لگائی وہ سن کھڑی تھی ایک دن ساکن، دل کان میں دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔ وہ اس کی آواز ایک ماہ بعد سنے گی۔
وہ بھی تو اس کی آواز ایک ماہ بعد سنے گا۔

اگر کوئی اس کیفیت کو بیان کرنے کا کہتا تو وہ رو دیتی۔

بیل جا رہی تھی کسی نے اٹھایا نہیں تھا۔ وہ ویسے ہی کھڑی رہی۔ اور پھر اچانک بیل جانا بند ہو گئی۔ اس نے کان سے فون ہٹا کر دیکھا کال اٹھالی گئی تھی۔ اس کی زبان پر جیسے قفل لگ گیا تھا۔ آنسوؤں سنہری آنکھوں سے لڑیوں کی طرح رواں ہو گئے تھے۔ وہ نیچے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہیل۔۔۔" "دبی دبی آواز نکلی تھی۔ دوسری طرف ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی تھی۔

"کون بات کر رہا ہے؟" اور پھر جب آواز ابھری تو وہ کسی خاتون کی تھی۔

"حدید۔۔۔" سوہانے کان سے موبائل ہٹا کر دیکھا اس نے نمبر تو سہی ملایا تھا نا۔

"کون بات کر رہا ہے اور کس سے بات کرنی ہے؟" ایک بار پھر آواز سنائی دی تھی۔

"سوہا۔۔۔ سوہائی بات کر رہی ہوں۔ آپ مسٹر خانزادہ کو فون دیں۔ کہاں ہیں وہ؟" اب کہ اس کی آواز پہلے سے قدر بہتر تھی۔

"حدید نہیں ہے اور سوہائی، سوہائی بھی نہیں ہے۔ وہ مر گئی ہے۔" دوسری طرف والے کی آواز میں کچھ تھا۔ موبائل کان پر لگائے سوہا خاموش تھی۔

"وہ مر گئی ہے اور وہ بھی تمہیں بھول گیا ہے۔"

"آپ کون ہیں؟" بالکل دھیمی آواز میں صرف ایک ہی سوال کرنے کی سکت تھی اس میں۔

"مسز حدید خانزادہ۔۔۔" ہاتھ میں پکڑا موبائل نیچے گر گیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ "کیا وہ واقعی مر گئی تھی؟"

اس دن کے بعد سے اس نے کبھی واپسی رابطہ نہیں کیا تھا۔

راکنگ چیئر نے ایک بار پھر اپنی حرکت شروع کر دی تھی۔ البتہ اس جھولتے وجود کی آنکھیں اب نیند کی آغوش میں سونے کے لیے چلی گئی تھیں۔ گلاس وال کے باہر رات آسمان پر چاند کو بادلوں کے پیچھے چھپائے، ساری کہانی جانتے ہوئے دم سادھ گئی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

oooooooo

"عرزم آرہا ہے کل شام تک آجائے گا۔" حدید نے موبائل سائڈ میں رکھا تھا۔ رومانہ نے ابھی میسج کر کے اسے بتایا تھا۔ پہنچ تو وہ صبح ہی جاتے لیکن اسے پتا تھا عرزم کبھی بھی سیدھا گھر نہیں آتا اور اکثر رات کے وقت ہی آتا ہے۔

وہ لوگ اس وقت کیفے ٹیریہ کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ ندا اور اس کے آگے کافی رکھی تھی جبکہ حورین اپنے فرائیز کھانے میں مصروف تھی البتہ عرزم کے نام پر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔ اس کے فیورٹ چاچو۔۔۔

لوگ آس پاس میزوں پر اپنی فیملیز کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"مطلب کل گملے کے نیچے چابی رکھنی پڑے گی۔" ندا نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ ہر پریشانی سے آزاد ہنسی۔

"آنا اس نے پھر بھی حورین کے کمرے کی بالکونی سے ہے۔" حدید کو اس کے پچھلے بار آنے کی ٹیکنیک یاد آئی تھی۔

"Because he wants to surprise me first"

حورین نے آنکھیں پٹیٹاتے ہوئے کہا تھا۔ حدید نے اپنی اینجل کو دیکھا۔

"اسے پاکستان بھی تو جانا ہے؟" ندا نے کافی کا گھونٹ بھرا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہاں سے ہو کر ہی جائے گا۔"

حدید نے اسے اطلاع دی تھی۔ ایک پیپی فیملی کی طرح وہ تینوں ہنستے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

oooooooo

کراچی میں سورج طلوع ہو کر ایک بار پھر نیا دن لے آیا تھا۔ ایک فی حیات ایک فی تاریخ لکھنے کے لیے۔

کراچی والے اس وقت معمول سے ہٹ کر جاگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وجہ دن کا ایک بجنا تھا۔ تمام دکانیں اور کاروباری مرکز کھل گئے تھے۔ سورج سوانیزے کو پہنچ گیا تھا۔

ایسے میں زیان گلاس ڈور دھکیلتے اس مرکزی شاہرہ کمپر بنے مال کے اندر داخل ہوا تھا۔ ارادہ کچھ خریدنے کا تھا۔ رات میں ابرش نے بات کر کے جو لسٹ تھمائی تھی اسے ایک ہفتہ میں ساری چیزیں خریدنی تھیں۔

فارمل۔ شرٹ کے ساتھ بلیک۔ پینٹ پہنے بھورے بال بالکل سیٹ تھے۔ اسے یہاں سے نکل کر میٹنگ میں جانا تھا جو کہ تین بجے تھی۔

وہ چلتا ہوا لفٹ کے پاس رکا تھا۔ مال میں رش ابھی ذرا کم تھا۔ لوگ زیادہ نہیں تھے۔ کچھ دکاندار اپنی دکانیں کھول رہے تھے جبکہ کچھ دکانیں کھول کر بیٹھ گئے تھے۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اندر داخل ہو گیا۔ لفٹ کے شیشے میں اس کا عکس واضح تھا۔ پھر لفٹ کھلی تو وہ باہر نکل گیا۔ پہلے فلور پر بہت سی دکانیں کھل گئی تھیں۔ ایک جگہ جیولری کا اسٹال تھا۔ ابرش اور جیولری، زیان کے قدم اس اسٹال کی طرف بڑھے تھے۔ والٹ ہاتھ میں تھا۔ وہ چل ہی رہا تھا۔ جب کوئی اس سے بہت زور سے ٹکرایا تھا۔ تصادم بہت زور کا تھا کہ سامنے والے کے ہاتھ میں پکڑی چیزیں زمین بوس ہوئی تھیں۔ زیان کا والٹ بھی گرا تھا۔

"معذرت۔۔" زیان فوراً نیچے جھکا تھا۔ وہ بند ایک شاپر تھے۔

اس نے ساری چیزیں اکھٹی کر کے آگے بڑھائی تھیں۔ جسے اس لڑکی نے فوراً تھام لیا تھا۔ زیان نے اپنا والٹ شرٹ پاکٹ میں ڈالا تھا۔

"معذرت!"

"کوئی بات نہیں میں غلط آرہی تھی۔ جلدی میں۔" وہ کوئی لڑکی تھی۔ شارٹ شرٹ پہنے۔ بال چٹیا میں بندھے تھے جو کہ دائیں کندھے پر رکھی تھی۔ زیان نے سر کو خم دیا تھا۔

اور پھر وہ سائنڈ سے آگے بڑھ گیا۔

"پھر ملیں گے۔" آگے بڑھتے زیان کے قدم تھمتھے تھے۔ کانوں میں ایک سماعت ٹکرائی تھی۔ وہ مڑا تھا۔ وہ لڑکی پیچھے جارہی تھی ایسے کہ بہر زیان کی طرف تھا اور قدم الٹے چل رہے تھے۔

"خوشی میں نہ سہی۔ کیا پتا تمہارا کوئی غم کھینچ لائے۔" وہ جیسے خود ہی سب سوچ کر جواب دے رہی تھی۔

بھوری آنکھوں میں سوال تھا۔ زیان کچھ سمجھ نہیں پارہا تھا۔ جب کہ وہ سنہری آنکھوں والی لڑکی کہہ کر بہت دور آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بہت دور نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔ گلے میں مفکر کی طرح کا دوپٹہ ڈالے ہر چیز سے بے فکر جیسے وہ آزاد ہو کر قید سے ہر فکر سے۔

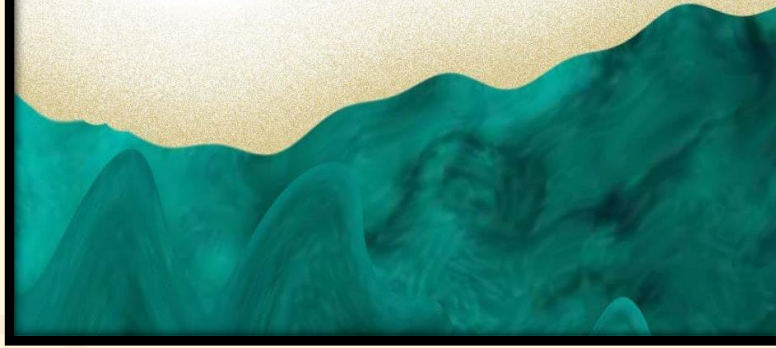
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جاری ہے۔۔۔۔۔

باقی آئندہ قسط میں

پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

ایسین فتح



ابراہیم

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آدھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سیکم کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سیکم ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹتے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

Click here

safareadab.com



دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھلا بھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے ہوئے کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجہ ہٹا کر گئی۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنوں گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ!!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے ہلٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

Click here

safareadab.com

وراثت

فاطمہ ملک

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب